بیادِ امامِ اہلِ سنت مجددِ ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز

حاجی مقبول صاحب قادری

سہ ماہی ممبئی

افکار رضا

جنوری تا جون ۲۰۰۲ء جلد ۸ شمارہ ۱-۲ (۲۷-۲۸) رمضان المبارک تا صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

"اے احمد رضا! تمہاری تربت پر شام و سحر رحمت و نور کا ساون برسے، تمہارے قلم کی روشنائی نے شہیدوں کے لہو کی طرح چمنستانِ اسلام کو لالہ زار بنا دیا۔ تم نے آندھیوں کی زد پر عشق کا چراغ جلایا اور خون کے ایک ایک قطرہ سے محبت کا خراج وصول کیا۔ دنیائے اسلام کے محسن! تم نے حق و باطل کے درمیان اتنی واضح لکیر نہ کھینچ دی ہوتی تو آج اُمنڈتے ہوئے ان سیاہ فتنوں کے ہجوم میں اُمتِ مسلمہ کا کیا حال ہوتا۔ کیا معلوم کہ ہم سرگشتگان بادۂ غفلت عقلِ غلط اندیش کی رہنمائی میں کہاں بھٹکتے ہوتے۔ اے اہلسنت کے امام! خدائے غافر و قدیر تمہاری خواب گاہ کو رحمتوں کے پھولوں سے بھر دے۔ تمہارا یہ احسان ہم کبھی نہیں بھول سکتے کہ تم نے نہایت نازک وقت میں ایمان کے ساتھ ہماری روحوں کا سر رشتہ ٹوٹنے سے بچا لیا"۔

(علامہ ارشد القادری)

تحریک فکر رضا

۱۶۷، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

برصغیر میں فکرِ امام احمد رضا کا باوقار جریدہ

سہ ماہی ممبئی

افکارِ رضا

جنوری تا جون ۲۰۰۲ء
جلد ۸ شمارہ ۱۔۲ (۲۷۔۲۸)
رمضان المبارک تا صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

مدیر: محمد زبیر قادری
منیجر: محمد اسحٰق برکاتی

رابطہ کا پتہ: Address :
Tehreek-e-Fikr-e-Reza
167, Dimtimkar Road, Nagpada,
Mumbai - 400 008. INDIA
TEL : 343 98 63

Distributed in Pakistan By:
Markazi Majlis-e-Riza
P.O.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By:
THE ISLAMIC TIMES
C/o. 138, Northgate Road,
Edgeley, Stockport, SK3 9NL
ENGLAND

Distributed in Australia By:
SHEHZAD ALI
P.O. Box: 51, Lurnea 2170,
NSW, AUSTRALIA

فہرست

website: fikreraza.net
email:editor@fikreraza.net

پرنٹر پبلشر: محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 008 400 سے چھپوا کر دفتر 167، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 008 400 سے شائع کیا۔

اداریہ

علامہ ارشد القادری ...... ایک تحریک

مفتی محمد شریف الحق امجدی، مفتی جلال الدین امجدی جیسے اساطینِ ملت کے بعد حضرت علامہ ارشد القادری بھی انتقال فرما گئے۔ اس دور پُر فتن میں ایک دینی رہنما کا وصال کسی سانحے سے کم نہیں۔ اُمت مسلمہ کا شیرازہ اس قدر منتشر ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے امام مہدی رضی اللہ عنہ کی آمد سے پہلے سدھار ممکن ہی نہیں۔ اکابر کے رخصت ہونے کے بعد ہر کوئی اپنی من مانی میں لگا ہوا ہے۔ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں تعمیر ہو چکی ہیں، خانقاہیں فرقوں کی مانند بٹ گئی ہیں یعنی اپنے پیر اور خانقاہ کے علاوہ سب غلط اور گمراہ۔ اسٹیجوں پر اتحاد کی باتیں تو سب ہی کرتے نظر آتے ہیں مگر ذاتی حجروں میں، مخصوص مجلسوں میں یہی حضرات اختلاف پھیلاتے نظر آتے ہیں۔ ایسے عالم میں چند افراد ہی کے دم قدم سے ہی سُنّیت کو تقویت حاصل ہے۔ ان میں بھی تیزی سے کمی آرہی ہے۔ اللہ رحم فرمائے اہلسنّت پر۔

یہ لکھتے ہوئے قلم کانپ جاتا ہے کہ علامہ ارشد القادری مدظلہٗ العالی وصال فرما گئے۔ سُنّیت کا ایک مضبوط ستون گر گیا۔ میں نے علامہ ارشد القادری کو صرف ایک ہی بار دیکھا تھا۔ البتہ ان کی کتابوں کی بدولت ان سے بارہا ملاقاتیں ہوئیں۔ اُن کی تحریریں ہم جیسے طالبانِ حق کے لیے بے حد کارآمد ثابت ہوئیں اور ہو رہی ہیں بلکہ ہم نے اپنی سُنّیت کو اُن کی تحریروں کے ذریعہ ہی مستحکم کیا ہے۔

علامہ ارشد القادری ہمارے نزدیک قائدِ اہلسنّت تھے۔ قائد وہ ہوتا ہے جو حالات اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق کام کرنے کی راہیں چنے اور رہنمائی فرمائے۔ انہوں نے ہر میدان میں قائدانہ صلاحیتوں کے ساتھ کام کیا۔ آپ اُن کی زندگی کا مطالعہ کریں تو پائیں گے کہ وہ ہر میدان کے یکساں شہسوار تھے۔ اُن کا خاص وصف یہ تھا کہ انہوں نے مسلکِ اہلسنّت کے جس پہلو کو کمزور دیکھا اُس کی طرف فوراً دھیان دیا...... کبھی حالات کا رونا نہیں رویا، کبھی عدمِ وسائل کا شکوہ نہیں کیا۔ بس جو جنون سوار ہو گیا تو اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہی ہے۔ جامعات کی تعمیر ہو، تصانیفِ کتب ہو، رسالوں کی اشاعت ہو، تحریکوں و تنظیموں کا قیام ہو، بین الاقوامی روابط ہوں' ہر محاذ پر آپ علامہ کی خدمات پائیں گے۔

حضرت علامہ ارشد القادری کے قائم کردہ مدرسہ فیض العلوم کے پچاس سال پورے ہونے پر عظیم الشان جشنِ پچاس سالہ کے انعقاد کا گزشتہ ڈیڑھ سال سے اعلان آرہا ہے جس میں علامہ کی حیات و خدمات پر سیمینار کا بھی پروگرام تھا۔ جو اَب تک منعقد نہ ہو سکا۔ علامہ کے وصال کے بعد یہ سیمینار بہت ضروری ہو گیا ہے۔ اس ذریعہ سے ہم علامہ کی حیات و خدمات کو اپنوں اور غیروں تک بخوبی پہنچا سکیں گے۔ ...... اور نہیں تو کم سے کم علامہ کی خدمت میں ایک بھرپور خراجِ عقیدت ہی ہو جائے گا۔ ...... علامہ کے وصال کے ساتھ ہی اُن کے ورثاء نے ایک بڑا کام یہ کیا کہ علامہ کے ادھورے کام کو پھر سے شروع کر دیا۔ ماہنامہ "جام نور" کا اجراء ایک مثبت اور مؤثر قدم ہے مسلکِ اہلسنّت کی اشاعت میں۔ خدائے

تعالیٰ اسے دوام عطا فرمائے اور اس کے ذریعہ سے مسلک کی خوب اشاعت ہو۔

الحمد للہ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ علامہ ارشد القادری کے کام کو آگے بڑھانے کے ضمن میں کچھ ہم حقیروں کا بھی حصہ ہے۔ ہم نے علامہ کی کتب **تبلیغی جماعت** اور **زلزلہ** کے انگریزی تراجم شائع کر کے عام کیے ہیں۔ ہندوستان میں ہمارے علاوہ کسی اور ادارہ یا تنظیم نے اسے اب تک شائع نہیں کیا۔ ان کے کئی ایڈیشن شائع ہو کر ختم ہونے کے باوجود ابھی تک ملک و بیرون ممالک سے اس کی بے حد ڈیمانڈ ہے۔ اس لیے حال ہی میں دونوں کتابوں کی تازہ اشاعت عمل میں آئی ہے۔ اسی طرح علامہ کی تصنیف تبلیغی جماعت کے ہندی ترجمہ کی بھی سخت ضرورت ہے اس کی بھی اشاعت کا ہم نے پروگرام بنایا تھا تو معلوم ہوا کہ حضرت کے صاحبزادے اس کی اشاعت کا پروگرام رکھتے ہیں۔ اس بات کو چند سال گزر گئے پتہ نہیں اُن کو کیا مجبوریاں حائل ہیں کہ اب تک تبلیغی جماعت کا ہندی ایڈیشن منظر عام پر نہیں آیا۔ اگر اب بھی اس کی اشاعت کی جانب توجہ نہیں دی گئی تو ہم ہی اسے شائع کر دیں گے۔

حضرت علامہ ارشد القادری کے وصال کے بعد ہمیں دور دور تک کوئی شخصیت ایسی نظر نہیں آتی جو کہ ان کا نعم البدل ثابت ہو سکے۔ نہ ہم میں اس قدر صلاحیت ہے کہ اُن کے قدموں کی دھول ہی بن سکیں۔ اگر ہم میں دین و سنیت کی اشاعت کا جذبہ ہے اور ہم مسلکِ اہل سنت کے تئیں مخلص ہیں تو کیوں نہ ہم اُن کی سیرت کو اپنائیں۔ آج ہر شے کی افراط ہے اس کے باوجود اہلسنت کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اصاغر کچھ نہ کرتے ہوئے بھی بڑے بڑے القاب لگا کر اکابر کی فہرست میں شمار ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اخلاص عنقا ہے ...... ہر کوئی مادّی وسائل کی تگ و دو میں لگا ہوا ہے۔ بلا شبہ معیشت اوّل ہے مگر توکل بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے یا نہیں؟ جس چیز کا درس ہم تقریر و تحریر میں عوام کو دیتے نظر آتے ہیں اُس پر ہمارا خود کا عمل کدھر ہے؟ فی الوقت ہر سطح پر کام کی سخت ضرورت ہے۔ ہر شعبہ تشنہ ہے، کسی بھی کام میں کوئی نظم و ضبط نظر نہیں آتا۔ ہم اپنے اسلاف کا عرس تو بڑے دھوم دھام سے مناتے ہیں مگر اُن کے اسوہ پر عمل پیرا ہونے کی ہمیں ذرا بھی توفیق نہیں ہوتی ......

یوں تو کہنے کو بہت سی باتیں ہیں مگر وہی معاملہ ہو جائے گا کہ چھوٹا منہ اور بڑی بات۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سُنے گا؟ ...... پھر بھی لکھنا اس لیے پڑتا ہے کہ کوئی تو بیدار ہوگا ہماری آواز پر۔ سُنّیت کی درد بھری پُکار پر کوئی تو لبیک کہے گا۔ ہمیں ہمیشہ صرف ایک ہی مقصد کو پیش نظر رکھنا ہوگا کہ کس طرح سے مسلک کی اشاعت بہتر سے بہتر طریقہ پر ہو۔ جیسا کہ علامہ ارشد القادری نے کیا ہے۔ جو آدمی مسلسل اسی فکر میں غلطاں رہے گا وہی کچھ نہ کچھ ضرور کرلے گا۔ اللہ مسبب الاسباب ہے۔ وسائل کی تنگ دامنی مجاہد کے سامنے کبھی آڑے نہیں آتی کیونکہ اس کے سامنے تو اس کا رب ہوتا ہے جس نے اُس سے وعدہ کیا ہے کہ تم میرے کام میں لگ جاؤ میں تمہارے کام میں لگ جاؤں گا۔ ...... اور پھر...... تم ہی غالب رہوگے اگر تم مؤمن ہو۔ ○○

محمد زبیر قادری

ترجمۂ کنز الایمان کا لسانی جائزہ

(چھٹی قسط)

از: ڈاکٹر صابر سنبھلی
سیف خان سرائے، سنبھل، مراد آباد (یوپی) 244302

سورۂ ابراھیم

آیت ۲۷ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کے ایک حصے کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا۔

''مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے۔''

یہ نہ تحریر کی زبان ہے نہ تقریر کی۔ ممکن ہے علامہ کے زمانے سے سو ۱۰۰ ڈیڑھ سو برس پہلے رواج میں رہی ہو یعنی اُس وقت جب اردو زبان ارتقاء کے ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی۔ علامہ ترجمے کا حق تو کیا ادا کرتے آیت کے اس حصے کا جو مطلب انہوں نے سمجھا تھا اسی کو ٹھیک سے بیان نہ کر سکے۔ اب ذرا اس حصۂ آیت کا امام احمد رضا کا فی البدیہہ رقم کرایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر''

آیت ۳۹ دو بیٹوں کے حصول پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شکر الٰہی کے جو الفاظ منہ سے نکالے اُن کا ترجمہ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح لکھا ہے۔

''شکر ہے اللہ کا جس نے بخشا مجھ کو اتنی بڑی عمر میں اسمٰعیل اور اسحٰق''۔

عطیے دو ۲ اور اُن سے متعلق فعل صیغۂ واحد میں۔ میٹرک کا طالب علم بھی کہہ دے گا کہ ''بخشا'' نہیں ''بخشے'' ہونا چاہیے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح اِملا کرایا۔

''سب خوبیاں اللہ کو جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل و اسحٰق دیے''۔

کس قدر رواں اور صاف ترجمہ ہے۔ کون انگلی اُٹھا سکتا اس پر۔

آیت ۴۰ جناب علامہ نے یوں ترجمہ ارقام فرمایا۔

''اے رب میرے کر مجھ کو کہ قائم رکھوں نماز اور میری اولاد میں سے بھی''۔

''کر مجھ کو'' میں اس قدر ابہام ہے کہ اس کا مدعا نہیں کھلتا۔ قاری کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی گئی ''کر مجھ کو'' لیکن کیا کر، اس کا مذکور نہیں ہے۔ کلامِ الٰہی میں تو ایسا ابہام نہیں ہوسکتا۔ یہ ترجمہ نگار کی مہارت کی کمی کے سبب ہوا وہ بھی اس حالت میں کہ شاہ صاحب کا ترجمہ سامنے کھلا رکھا تھا۔ امام احمد رضا نے اس کا یوں ترجمہ فرمایا۔

''اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو''۔

آیت ۴۶ جناب علامہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''اور یہ بنا چکے ہیں اپنا داؤ اور اللہ کے آگے ہے ان کا داؤ اور نہ ہوگا اُن کا داؤ کہ ٹل جائیں اُس سے پہاڑ''

اس حصے کا امام احمد رضا کا فوری طور پر لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے اور دونوں ترجموں کا فرق

محسوس کیجئے:

''اور بے شک وہ اپنا داؤں چلے اور اُن کا داؤں اللہ کے قابو میں ہے اور اُن کا داؤں کچھ ایسا نہ تھا کہ جس سے پہاڑ ٹل جائیں''۔

آیت ۵۲ علامہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ فرمایا۔

''یہ خبر پہنچا دینی ہے لوگوں کو اور تا کہ چونک جائیں اس سے اور تا کہ جان لیں کہ معبود وہی ہے ایک ہے اور تا کہ سوچ لیں عقل والے۔''

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں کیا:

''یہ لوگوں کو حکم پہنچانا ہے اور اس لیے کہ وہ اس سے ڈرائے جائیں اور اس لیے کہ وہ جان لیں کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور اس لیے کہ عقل والے نصیحت مانیں''۔

''اور'' کے ساتھ ''اس لیے'' نے عبارت کو فصیح بنادیا۔ فصاحت کنز الایمان کی سترہویں خوبی ہے اور اہل انصاف پر مخفی نہیں کہ امام احمد رضا کا سارا ترجمہ فصاحت سے مالا مال ہے۔

قارئین کرام! اب دو آیتوں کے ترجمے میں فعل متعدی المحدی کی جلوہ گری سے بھی محظوظ ہو لیں۔

آیت ۴ جناب علامہ کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''پھر راستہ بھلاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راستہ دکھلاتا ہے جسکو چاہے''

شاہ عبد القادر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا تھا۔

''پھر بھٹکاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دکھاتا ہے جس کو چاہے''۔

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ جناب علامہ نے شاہ صاحب کے ''بھٹکاتا ہے'' کو ''راستہ بھلاتا ہے'' سے بدلا ہے۔ فقیر کو حیرت ہے کہ انہوں نے یہاں ''بچلاتا ہے'' کیوں نہیں لکھا جو اُن کو بہت مرغوب ہے۔ علامہ نے دوسری تبدیلی یہ کی ہے کہ ''راہ دیتا ہے'' کو ''راستہ دکھلاتا ہے'' سے بدلا ہے۔ جب کہ ''راہ دینا'' اب بھی رائج اور فصیح ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں املا کرایا۔

''پھر اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور راہ دکھاتا ہے جسے چاہے''۔

آیت ۴۵ جناب علامہ نے اس طرح حق ترجمہ نگاری ادا کیا۔

''اور کھل چکا تھا تم کو کہ کیسا کیا ہم نے اُن سے اور بتلائے ہم نے تم کو سب قصے''۔

شاہ عبد القادر صاحب نے یوں ترجمہ کیا تھا۔

''اور کھل چکا تھا تم کو کہ کیسا کیا ہم نے اُن پر اور بتائیں ہم نے تم کو کہاوتیں''۔

کچھ غیر معیاری ترجمہ نہیں تھا؛ مگر جناب علامہ کو اپنے مرغوب فعل متعدی المحدی کا استعمال کرنا ہی تھا (اپنی تسکین قلب کی خاطر) اس لیے ''بتائیں'' کو ''بتلائے'' سے بدل دیا۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح قلم بند کرایا۔

''اور تم پر خوب کھل گیا ہم نے اُن کے ساتھ کیسا کیا اور ہم نے تمہیں مثالیں دے دے کر بتادیا''۔

سورۂ الحجر

آیت ۸ علامہ محمود الحسن صاحب نے یوں ترجمہ فرمایا۔

''ہم نہیں اُتارتے فرشتوں کو مگر کام پورا کر کے اور اُس وقت نہ ملے گی اُن کو مہلت''

مفہوم کی تہہ تک پہنچنا عوام تا خواص کسی کے لیے بھی آسان نہیں ہے جب تک تفسیری حاشیہ نہ دیکھا جائے یا کسی سے اس کی تفسیر نہ معلوم کی جائے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا۔

''ہم فرشتے بے کار نہیں اُتارتے اور وہ آئیں تو انہیں مہلت نہ ملے''

اس ترجمے کو پڑھنے کے بعد علامہ کا ترجمہ بھی سمجھ میں آجائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تفہیم کے لیے کسی دوسرے ذریعے کا محتاج ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا ایسے ترجمے کی کیا افادیت ہے۔

آیت ۲۵ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''اور تیرا رب وہی اکٹھا کر لائے گا اُن کو بیشک وہی ہے حکمتوں والا خبردار''

اس ترجمے میں چند باتیں قابل ذکر ہیں۔ اوّل یہ کہ لفظی ترجمہ ہے۔ دوم لفظ ''وہی'' روانی میں رکاوٹ بن رہا ہے، اگر لانا ہی تھا تو کسی اور طریقے سے لانا چاہیے تھا۔ ان دو ۲ وجہوں سے ترجمہ غیر فصیح ہے۔ سوم ترجمے سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ کیا فرمایا گیا ہے۔ اس ترجمے کو پھر پڑھیے اور ساتھ ہی امام احمد رضا کے درج ذیل ترجمے کو پڑھیے حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔

''اور بے شک تمہارا رب ہی انہیں قیامت میں اُٹھائے گا بیشک وہی علم و حکمت والا ہے''۔

آیت ۳۰ علامہ صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ ''تب سجدہ کیا اُن فرشتوں نے سب نے مل کر''۔ بار بار کی ''نے نے'' سے بچنے کا طریقہ یہ بھی تھا کہ ''ان سب فرشتوں نے مل کر'' لکھ دیا جاتا۔ بہر کیف یہ مترجم جانیں اور یہ انہیں کا اختیار تھا۔ اب امام احمد رضا کا ترجمہ اس ترجمے سے ملا کر دیکھیے۔

''تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدے میں گر گئے''

آیت ۳۸-۳۷ علامہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

''فرمایا کہ تو تجھ کو ڈھیل دی اُس مقررہ وقت کے دن تک''

ترجمہ صاف ہے لیکن زبان میں ایک جدّت بھی کی گئی ہے۔ ''کہ'' (کاف بیانیہ) کے بعد ''تو'' (حرف جزا، حرف تخصیص) کہیں کسی نے کسی تحریر میں نہیں دیکھا ہوگا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ترجمہ نہایت صاف اور رواں ہوتا، لیکن ایک لفظ ''تو'' بہتے دریا میں بڑی چٹان کی طرح فصاحت اور روانی میں خلل انداز ہو رہا ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا۔

''فرمایا تو اُن میں ہے جن کو اُس معلوم وقت کے دن تک مہلت ہے''۔

آیت ۳۹ اس آیت کے ایک بہت چھوٹے سے حصّے کا ترجمہ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح کیا ہے۔

''اور راہ سے کھو دوں گا ان سب کو''۔

"کھودوں گا" سے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے کوئی زمین یا راستے سے مٹی یا کھیت کو کھودنے کا ارادہ ظاہر کر رہا ہے۔ ایسے الفاظ جن سے کسی کم پڑھے لکھے کو دوسرے معنی کا دھوکا ہو کم از کم قرآن کریم کے ترجمے میں استعمال کرنے مناسب نہیں۔ امام احمد رضا نے اس چھوٹے سے حصے کا ترجمہ اس طرح املا کرایا۔

"اور میں ضرور اُن سب کو بے راہ کردوں گا"۔

آیت ۸۵ علامہ محمود الحسن صاحب نے ترجمہ فرمایا۔

'اور قیامت بیشک آنے والی ہے سو کنارہ کر اچھی طرح کنارہ"۔

"کنارہ کر اچھی طرح کنارہ" کو نظر میں رکھیے اور امام احمد رضا کا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"اور بے شک قیامت آنے والی ہے تو تم اچھی طرح درگذر کرو"۔

آیت ۸۸ علامہ صاحب اس طرح ترجمہ ارقام فرماتے ہیں:

"اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے"۔

یہ عربی الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے ورنہ اردو میں "بازو جھکانے" کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے:

"اور مسلمانوں کو اپنی رحمت کے پروں میں لے لو"

آیت ۹۹ جناب علامہ کا ترجمہ یہ ہے:

"اور بندگی کیے جا اپنے رب کی جب تک آئے تیرے پاس یقینی بات"۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں املا کرایا:

"اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو"۔

ان سورتوں کے تراجم کا مطالعہ فقیر نے اپنی دیگر مصروفیات کے سبب بہت عجلت میں کیا ہے۔ سرسری نظر ڈالنے پر سورۂ الحجر میں کہیں بھی علامہ کا پسندیدہ فعل متعدی المتعدی نظر نہیں آیا۔ اس پر فقیر کو حیرت ہے۔ امید ہے کہ تفسیری حاشیے میں ضرور آیا ہوگا۔ فقیر کو اس کا مطالعہ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

سورۂ النحل

آیت ۸ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

"اور گھوڑے پیدا کیے اور خچریں اور گدھے کہ اُن پر سوار ہو اور زینت کے لیے اور پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے"۔

اردو قواعد کا ایک کلیہ ہے کہ مؤنث اسماء کی جمعیں ہی ی ن (یں) بڑھا کر بنائی جاتی ہیں مذکر کی نہیں جیسے "آنکھ" مؤنث ہے تو اس کی جمع "آنکھیں" ہوگی؛ لیکن "ہاتھ" مذکر ہے تو اس کی جمع "ہاتھیں"

نہیں ہو گی۔ اسی طرح ''کتاب'' مؤنث ہے اس لیے اس کی جمع ''کتابیں'' آتی ہے لیکن ''گلاب'' اور ''کباب'' مذکر ہیں اس لیے ان کی جمعیں ''گلابیں'' اور ''کبابیں'' نہیں آتیں۔ لفظ ''دُکان'' مؤنث ہے اس لیے اس کی جمع ''دکانیں'' بنتی ہیں؛ مگر مکان مذکر ہے اس لیے اس کی جمع ''مکانیں'' نہیں آتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ محمود الحسن صاحب ''خچر'' کو مؤنث تسلیم کرتے ہیں، تبھی تو انہوں نے اس کی جمع ''خچریں'' لکھی جب کہ حال یہ ہے کہ اس حقیر فقیر کے پاس اردو لغات کی جو تھوڑی بہت کتابیں ہیں سب میں ''خچر'' کو مذکر لکھا ہے اور منشی امیر مینائی کے شاگرد جلیل حسن جلیل نے تذکیر و تانیث کی ہی ایک لغت مرتب کی، جس میں سات ہزار الفاظ کی تذکیر و تانیث درج ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اس میں بھی خچر کو مذکر ہی لکھا ہے۔[1]

اب اس کو علامہ کی قواعد زبان سے ناواقفیت کہہ لیجیے یا اردو زبان پر اپنی مرضی کے قاعدے تھوپنے کی ناکام کوشش۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح تحریر کرایا۔

''اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ اُن پر سوار ہو اور زینت کے لیے اور وہ پیدا کرے گا جس کی تمہیں خبر نہیں''۔

آیت ۱۸ علامہ صاحب کا عجیب و غریب ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''اگر شمار کرو اللہ کی نعمتوں کو نہ پورا کر سکو گے اُن کو''۔

بات اللہ کی نعمتوں کے شمار کی تھی۔ خدا جانے پورا کرنے کی بات کہاں سے آ گئی۔ پورا کرنا اس موقع پر بولا جاتا ہے جب کچھ کمی ہو (اور اللہ کی نعمتوں کی کمی نہیں) یا اُس موقع پر بولا جاتا ہے جب گنتی کے نتیجے میں کمی واقع ہو رہی ہو۔ (یہ بات بھی یہاں نہیں ہے) واضح ہو کہ ''اُن'' کا مشارٌ الیہ ''شمار'' نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ''اُن'' جمع ہے اور ''شمار'' واحد اور اگر ایسا ہے تو ماننا پڑے گا کہ جناب علامہ کو تذکیر و تانیث کا بھی علم نہیں تھا۔ شاید اسی لیے بھارت کے ایک دانشور نے اس ترجمے کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ قرار دیا۔ بہر حال امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا تھا۔

''اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے''۔

آیت ۲۵ جناب علامہ کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''تا کہ اُٹھائیں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے اور کچھ بوجھ اُن کے جن کو بہکاتے ہیں بلا تحقیق سُنتا ہے بُرا بوجھ ہے جو اُٹھاتے ہیں''۔

[1] دیکھیے ''تذکیر و تانیث'' مرتبہ جلیل حسن جلیل؛ ناشر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی، طبع ثانی ستمبر ۱۹۹۴ء صفحہ ۱۴۴

علامہ نے اپنے ترجمے میں کہیں بھی اردو نثر کی نحوی ترکیب کا خیال نہیں رکھا ہے۔ پھر اس زمانے

میں رموزِ اوقاف کی طرف توجہ بھی برائے نام تھی۔ اس لیے علامہ کے ترجمے کی تفہیم میں کہیں کہیں بہت دشواری پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً مندرجہ بالا ترجمے کے لفظ ''پورے'' کو لیجیے۔ پتہ نہیں چلتا کہ وہ اپنے ماقبل سے متعلق ہے یا مابعد سے۔ یعنی ''پورے بوجھ اُٹھائیں'' یا ''پورے دن بوجھ اُٹھائیں''۔ اگر نثر میں الفاظ کی ترتیب نثر کے عام چلن کے مطابق ہوتی تو اس قسم کی دشواری پیش نہ آتی، لیکن علامہ نے پورے قرآن میں اس کو اہمیت نہیں دی۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا۔

''کہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے اُٹھائیں اور کچھ بوجھ اُن کے جن کو اپنی جہالت سے گمراہ کرتے ہیں سُن لو کیا ہی بُرا بوجھ اُٹھاتے ہیں''۔

آیت ۵۴ جناب علامہ نے اس کا ترجمہ ارقام فرمایا۔

''پھر جب کھول دیتا ہے سختی تم سے اُسی وقت ایک فرقہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ لگتا ہے شریک بتانے''۔

''سختی کھول دیتا ہے'' خدا جانے برصغیر کے کس حصے کی اردو ہے۔ حقیر فقیر صابر اپنے محدود علم کے سبب اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ فی الفور اس طرح تحریر کرایا۔

''پھر جب وہ تم سے بُرائی ٹال دیتا ہے تو تم میں ایک گروہ اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے''۔

اس ترجمے کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ علامہ محمود الحسن نے جو ''سختی کھول دینا'' لکھا تھا اُس کا مطلب ''مصیبت دور کر دینا'' ہے۔ اس ترجمے کو پڑھے بغیر فقیر بھی جناب علامہ کے ترجمے کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ حالانکہ ترجمہ اردو میں ہے اور یہ فقیر حقیر بھی تھوڑی بہت اردو جانتا ہے۔

آیت ۶۹ علامہ صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''پھر کھا ہر طرح کے میووں سے پھر چل راہوں میں اپنے رب کی صاف پڑے ہیں''۔

ترجمہ مبہم ہے مگر علامہ شبیر احمد عثمانی کا تفسیری حاشیہ پڑھ کر کچھ بات سمجھ میں آئی۔ ''صاف پڑے ہیں'' کا مطلب ہے ''راستے صاف پڑے ہیں'' اور یہ شہد کی مکھیوں سے فرمایا گیا ہے؛ لیکن جناب علامہ نے ترجمے میں اس سے پہلے لفظ ''راہوں'' استعمال کیا ہے۔ ''راہ'' مؤنث ہے اس لیے آخری فقرہ اس طرح ہونا چاہیے تھا۔ ''صاف پڑی ہیں''۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب علامہ نے آخری فقرہ اس طرح کیوں لکھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''راہ'' مذکر ہے۔ اب تک کے جائزے سے جناب علامہ کی اُردو دانی کا جو معیار طے ہوا ہے اُس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاید ''راہ'' کو مذکر ہی سمجھتے تھے۔

اب امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''پھر ہر قسم کے پھل میں سے کھا اور اپنے رب کی راہیں چل کہ تیرے لیے نرم آسان ہیں''۔

آیت ۱۰۳ جناب علامہ کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو سکھلاتا ہے ایک آدمی''۔

اس ترجمے میں اور کوئی بات تو قابل ذکر نہیں ہے، لیکن سرسری مطالعے کے دوران اس سورت میں اسی آیت کے ترجمے میں فعلِ متعدی المحمدی نظر آیا۔ چلیے علامہ کا شوق پورا ہونے کا سامان تو ہوا۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں لکھایا تھا۔

''اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں یہ کوئی آدمی سکھاتا ہے''۔

آیت ۱۱۶ جناب علامہ ترجمہ نگار ہیں:

''اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر بہتان باندھو''

حقیر فقیر کی مادری زبان اردو ہے اور اردو کے خطے روہیل کھنڈ میں ہی اس کی زبان کی نشو ونما ہوئی ہے، اردو کے عظیم اور صاحبِ طرز ادیبوں کو بھی پڑھا ہے؟ لیکن ''زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے'' فقرے سے علامہ کی کیا مراد ہے یہ نہیں سمجھ سکا۔ اس طرح کے لایعنی ترجمے علامہ نے دیگر مقامات پر بھی کیے ہیں۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح رقم کرایا۔

''اور نہ کہو اُسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو''۔

سورۂ بنی اسرائیل

آیت ۴ علامہ محمود الحسن صاحب نے اس طرح ترجمہ فرمایا۔

''اور صاف کہہ سُنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں دو بار اور سرکشی کرو گے بڑی سرکشی''۔

''سرکشی کرو گے بڑی سرکشی'' عربی الفاظ کا اردو ترجمہ ہو سکتا ہے۔ اس کو بامحاورہ اور فصیح اردو نہیں کہتے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح لکھایا۔

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں وحی بھیجی کہ ضرور تم زمین میں دو بار فساد مچاؤ گے اور ضرور بڑا غرور کرو گے''۔

آیت ۱۸ جناب علامہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''پھر ٹھہرایا ہم نے اُس کے واسطے دوزخ داخل ہوگا اُس میں اپنی بُرائی سُن کر دھکیلا جا کر''

''دھکیلا جا کر'' اسی سورت کی آیت ۳۹ کے ترجمے میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ معلوم نہیں اس کا رواج کس علاقے میں ہے۔ کچھ بھی ہو یہ فصیح اور صحیح اردو نہیں ہے۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح رقم کرایا۔

''پھر اُس کے لیے جہنم کر دیں کہ اُس میں جائے مذمت کیا ہوا دھکّے کھاتا''۔

آیت ۳۸ علامہ محمود الحسن صاحب نے ایک جُز کا ترجمہ یوں فرمایا۔

''یہ جتنی باتیں ہیں اُن سب میں بُری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری''۔
اللہ رب العزت کی خوشی یا ناراضی (دونوں جب اس سے منسوب ہیں تو) تو بُرا کہنا اس فقیر حقیر کے خیال میں مناسب نہیں. (یہ خیال غلط بھی ہوسکتا ہے) امام احمد رضا نے اتنے ہی حصے کا ترجمہ یوں تحریر کرایا۔

''یہ جو کچھ گزرا ان میں کی بُری بات تیرے رب کو ناپسند ہے''۔

آیت ۵٦ جناب علامہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا۔

''کہہ پکارو جن کو تم سمجھتے ہو سوائے اُس کے سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تکلیف کو تم سے اور نہ بدل دیں''۔

''تکلیف کو کھولنا'' خدا جانے کس زبان اور کس علاقے کا روزمرہ ہے۔ یہ اردو تو نہیں ہے۔ فقرہ ''اور نہ بدل دیں'' بھی کچھ واضح نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ قلمبند کرایا۔

''تم فرماؤ پکارو انہیں جن کو اللہ کے سوا گمان کرتے ہو تو وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے اور پھیر دینے کا''۔

ترجمہ پڑھنے کے ساتھ ہی آیت کا مفہوم روشن ہوگیا۔ اس خوبی کو ''بلاغت'' کہتے ہیں اور یہ کنزالایمان کی اٹھارھویں خوبی ہے۔

آیت ٦٠ اس آیت کے مکمل ترجمے کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے؛ لیکن آیت بڑی ہونے کے سبب دونوں ترجموں کا فرق پوری طرح واضح نہیں ہوسکے گا۔ اس لیے ایک ایک فقرے کا موازنہ دیا جارہا ہے۔

ترجمہ علامہ محمود الحسن	ترجمہ امام احمد رضا
اور جب کہہ دیا ہم نے تجھ سے کہ تیرے رب نے گھیر لیا ہے لوگوں کو اور وہ دکھلاوا جو تجھ کو دکھلایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے اور ایسے ہی وہ درخت جس پر پھٹکار ہے قرآن میں	اور جب ہم نے تم سے فرما دیا کہ سب لوگ تمہارے رب کے قابو میں ہیں اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھلایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو اور وہ پیڑ جس پر قرآن میں لعنت ہے۔
اور ہم اُن کو ڈراتے ہیں تو اُن کو زیادہ ہوتی ہے بڑی شرارت	اور ہم انہیں ڈراتے ہیں تو انہیں نہیں بڑھتی مگر بڑی سرکشی

دونوں ترجمے ایک دوسرے کے سامنے درج ہیں کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ ایک فقرے میں علامہ نے فعل متعدی المتعدی (دکھلایا) کا بھی استعمال کیا ہے۔ (اگرچہ علامہ شبیر احمد عثمانی بھی اس کے بہت شائق ہیں مگر یہاں تفسیری حاشیے میں نہ جانے اُن سے کیسے چوک ہوگئی کہ 'دکھاوے' ہی لکھا ہے) اس حصے کا شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ لکھ دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ علامہ نے جو تصرّف فرمایا ہے وہ جا ہے یا بے جا۔ شاہ صاحب نے اس حصے کا ترجمہ اس طرح کیا تھا۔

''اور وہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے''۔

آیت ۶۲ جناب علامہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا۔

''کہنے لگا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تو نے مجھ سے بڑھا دیا اگر تو مجھ کو ڈھیل دیوے قیامت کے دن تک تو میں اس کی اولاد کو ڈھانٹی دے لوں مگر تھوڑے سے''۔

''ڈھانٹی دے لینے'' کا جواب نہیں۔ ''کروڑا'' کے استعمال پر انگلیاں اٹھانے والوں کو اس کی فصاحت پر غور کرنا چاہیے۔

امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے:

''بولا دیکھ تو جو یہ تو نے مجھ سے معزز رکھا اگر تو نے مجھ کو قیامت تک مہلت دی تو میں ضرور اس کی اولاد کو پیس ڈالوں گا''۔

اس کا نام ہے بلاغت۔

آیت ۶۴ حضرت علامہ کا لاجواب ترجمہ ملاحظہ فرمایئے، تحریر فرماتے ہیں۔

''اور گھبرا لے ان میں جس کو تو گھبرا سکے اپنی آواز سے''۔

''گھبرانا'' فعل متعدی نہیں ہے اور اس کا متعدی ہونا بھی نہیں ہے۔ ایسے موقع پر ''گھبراہٹ میں مبتلا کرنا'' آتا ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں دو جگہ اسی آیت شریفہ کے ترجمے میں آ گیا۔ آگے چل کر آیت نمبر ۶۷ کے ترجمے میں بھی لے آئے۔ یہ استعمال غیر فصیح ہی نہیں غلط بھی ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا۔ ''اور ڈگا دے ان میں سے جس پر قدرت پائے اپنی آواز سے''۔

آیت ۶۸ جناب علامہ نے ترجمہ فرمایا۔

''کیا تم بے ڈر ہو گئے اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے''۔

جناب علامہ پہلے بھی لفظ ''بے ڈر'' استعمال کر چکے ہیں اور آگے اسی سورت میں آیت ۶۹ میں بھی ہے۔ ایسے موقع پر ''نڈر'' صحیح اور فصیح ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح قلم بند کرایا۔

''کیا تم اس سے نڈر ہوئے کہ وہ خشکی کا ہی کوئی کنارہ تمہارے ساتھ دھنسا دے''۔

آیت ۷۸ علامہ نے اس کے ایک حصے کا ترجمہ یوں رقم فرمایا۔

''بے شک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے روبرو''

یہاں ''روبرو'' کا مطلب کیا ہے یہ علامہ ہی جانیں۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا۔ ''بے شک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں''۔

کہنے کی ضرورت نہیں کہ وضاحت قابل داد ہے۔

آیت ۷۹ علامہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ رقم طراز ہیں۔

''کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی ہے تیرے لیے''۔

''زیادتی'' ظلم کا مرادف لفظ ہے۔ علامہ اس کو پہلے بھی استعمال کر چکے ہیں۔

امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کرو یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے''۔

اب اس سورۃ میں فعل متعدی المتعدی کی مثالیں بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

آیت ۱ جناب علامہ ترجمہ نگار ہیں۔ ''پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تا کہ دکھلائیں اُس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے''۔

''دکھلانا'' جناب علامہ کا پسندیدہ فعل ہے۔ پہلے بھی متعدد بار استعمال کیا ہے۔ آیئے دیکھیں شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کی جگہ کیا لفظ لکھا تھا، کیونکہ علامہ نے انہیں کے ترجمے کی تجدید کا دعویٰ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو شاہ صاحب نے اس حصے کا ترجمہ یوں کیا تھا۔ ''کہ دکھادیں اُس کو اپنی قدرت کے نمونے''

اور امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا۔

''پاکی ہے اُسے جو راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصا تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اُسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں''۔

آیت ۹ جناب علامہ نے ترجمہ فرمایا۔ ''یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے''۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا تھا۔

''یہ قرآن بتاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے''۔

''بتاتا'' علامہ کو متروک لگا یا کسی اور وجہ سے پسند نہیں آیا۔ لہٰذا اس کی جگہ انہوں نے ''بتلاتا'' لکھ کر شاہ صاحب کی اصلاح کردی۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ رقم کرایا تھا۔

''بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے''۔

آیت ۴۲ حضرت علامہ کا ترجمہ اس طرح ہے۔

''کہہ اگر ہوتے اُس کے ساتھ اور حاکم جیسا یہ بتلاتے ہیں تو نکالتے صاحب عرش کی طرف راہ''

جناب علامہ نے جس جگہ بتلاتے تحریر فرمایا ہے وہاں پر شاہ صاحب نے ''بتاتے'' لکھا تھا۔ اُن کا ترجمہ یہ ہے۔

''کہہ اگر ہوتے اُس کے ساتھ اور حاکم جیسا یہ بتاتے ہیں تو نکالتے تخت کے صاحب کی طرف راہ''

اور امام احمد رضا نے یوں ترجمہ املا کرایا۔

''تم فرماؤ کہ اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے جیسا یہ بکتے ہیں تو وہ عرش کے مالک کی طرف کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے''

''جیسا یہ بکتے ہیں'' کا جواب نہیں۔ بلاغت کی اس سے عمدہ مثال مشکل سے ملے گی۔

آیت ۹۷ حضرت علامہ نے یوں ترجمہ تحریر فرمایا تھا۔

''اور جس کو راہ دکھلائے اللہ وہی ہے راہ پانے والا''۔

شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح عطا فرمایا تھا۔ ''اور جس کو سجھاوے اللہ وہی ہے سوجھا''۔

بے شک شاہ صاحب کے ترجمے میں متروک الفاظ تھے مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ متعدی

السعدی فعل کو گلے کا ہار بنالیا جائے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ فرمایا۔

''اور جسے اللہ راہ دے وہی راہ پر ہے''۔

یہ ہے خالص اور روزمرہ۔ سبحان اللہ۔

سورۂ کہف

آیت ۶ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

''سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان کو اُن کے پیچھے اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچھتا پچھتا کر''۔

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ رقم کرایا۔

''تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اس کے پیچھے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم سے''۔

آیت ۲۸ علامہ محمود الحسن صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''اور روکے رکھ اپنے آپ کو اُن کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طالب ہیں اُس کے منھ کے اور دوڑیں تیری آنکھیں اُن کو چھوڑ کر تلاش میں رونق زندگانی دنیا کی''۔

اس ترجمے میں ''طالب ہیں اُس کے منھ کے'' اور ''رونق زندگانی دنیا کی'' کو ذہن میں رکھیں اور امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھیں۔

''اور اپنی جان اُن سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اُس کی رضا چاہتے اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں۔ کیا تم دنیا کی زندگی کا سنگار چاہو گے''۔

دونوں ترجموں کو بار بار پڑھیے اور فیصلہ کیجیے کہ حُسن، تاثیر اور روانی کس ترجمے میں ہیں اور کس نے ترجمے کا حق ادا کیا ہے۔

آیت ۳۴ جناب علامہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا۔

''پھر ملا اس کو پھل پھر بولا اپنے ساتھی سے جب باتیں کرنے لگا اُس سے میرے پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ''۔

اس ترجمے میں تین باتیں قابل ذکر ہیں۔ پہلی تو یہ کہ ''بولا اپنے ساتھی سے جب باتیں کرنے لگا اُس سے'' ''فقرے میں ''باتیں کرنے لگا اُس سے'' بھرتی کا ہے۔ دوسری یہ کہ ''میرے پاس زیادہ ہے مال اور آبرو کے لوگ'' فقرے میں فعل ''ہے'' مال سے بھی متعلق ہے اور ''آبرو کے لوگ'' سے بھی۔ ایک بچہ بھی واقف ہے کہ امدادی فعل ''ہے'' واحد کے لیے آتا ہے اور ''آبرو کے لوگ'' جمع ہے۔ (واحد کے صیغوں کے پیوند جمع کے ساتھ علامہ اپنی تحریروں میں لگاتے رہتے ہیں۔) تیسری بات یہ ہے کہ علامہ نے ''آبرو کے لوگ'' ترجمہ کیا ہے۔ امام احمد رضا نے اس فقرے کا ترجمہ کیا تھا۔

''اور آدمیوں کا زیادہ ضرور رکھتا ہوں''۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے ترجمہ کنزالایمان سے کافی بعد میں تفسیری حاشیہ لکھا تھا۔ انہوں نے جگہ جگہ

صدرالافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے تفسیری حاشیوں سے بغیر حوالوں کے استفادہ کیا ہے اور بعض جگہ کنزالایمان سے بھی۔ اس آیت کے تفسیری حاشیے میں رقم طراز ہیں۔

''یعنی مال و دولت اور جتھا میرے پاس تجھ سے کہیں زائد ہے''۔

یہاں علامہ نے ''آبرو کے لوگ'' کا ذکر نہیں کیا۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ فی البدیہہ اس طرح املا کرایا تھا۔

''اور وہ پھل رکھتا تھا تو اپنے ساتھی سے بولا اور وہ اُس سے ردو بدل کرتا تھا میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں''۔

''اُس سے ردو بدل کرتا تھا'' یعنی بحث و تمحیث ہوتی رہتی تھی، (دونوں کے مابین)

آیت ۵۲ جناب علامہ ترجمہ نگار ہیں۔

''اور جس دن فرمائے گا کہ پکارو میرے شریکوں کو جن کو تم مانتے تھے۔ پھر پکاریں گے سو وہ جواب نہ دیں گے اُن کو اور کردیں گے ہم اُن کے اور اُن کے بیچ مرنے کی جگہ''۔

''اُن کے اور اُن کے بیچ'' نے عبارت کو کہیں کا نہ رکھا۔ یہ بھی تو نہیں ہوسکتا کہ اُن میں سے ایک اِن (الف مکسور) اشارۂ قریبہ ہو اور دوسرا اُن (الف مضموم، اشارۂ بعید) ہو۔ اس لیے کہ دونوں میں سے کوئی بھی کلام کے وقت قریب نہیں تھا۔ لہٰذا دونوں جگہ اُن (الف مضموم) ہی ہے۔ اس سے عبارت مجروح ہوگئی۔ اس کے علاوہ ''مرنے کی جگہ'' کا مطلب سمجھنے کے لیے مغززنی کرتے رہیے۔ کچھ سمجھ میں آنے والا نہیں ہے۔ امام احمد رضا نے یوں ترجمہ عطا فرمایا۔

''اور جس دن فرمائے گا کہ پکارو میرے شریکوں کو جو تم گمان کرتے تھے تو انہیں پکاریں گے وہ انہیں جواب نہ دیں گے اور ہم اُن کے درمیان ایک ہلاکت کا میدان کردیں گے''۔

آیت کا مفہوم اور مطلب آئینے کی طرح صاف ہوگیا۔ اس کو کہتے ہیں ترجمہ نگاری۔

آیت ۹۹ جناب علامہ نے ترجمہ عنایت کیا۔

''اور چھوڑیں گے ہم خلق کو اُس دن ایک دوسرے میں گھستے اور پھونک ماریں گے صور میں پھر جمع کرلائیں گے ہم اُن سب کو''۔

''ایک دوسرے میں گھستے'' کا مطلب خدا جانے کس ڈکشنری میں ملے گا۔ پھر اس ترجمے سے یہ بالکل نئی بات معلوم ہوئی کہ روزِ قیامت صور پھونکنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا۔ ابھی تو یہی معلوم تھا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے۔ یَا لَلْعَجَبْ غلط بیانی اور وہ بھی قرآن میں۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح املا کرایا۔

''اور اس دن ہم انہیں چھوڑیں گے کہ اُن کا ایک گروہ دوسرے پر ریلا دے گا اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اکٹھا کرلائیں گے''۔

آیت ۱۰۳ حضرت علامہ کا ترجمہ اس طرح ہے۔

"تو کہہ ہم بتائیں تم کو کن کا کیا ہوا گیا بہت اکارت"

کسی حرف کی تکرار اگر سلیقے سے کی جائے تو صوتی دل آویزی پیدا ہوسکتی ہے۔ لیکن اس ترجمے میں حرف "ک" کی تکرار کانوں کو مکروہ معلوم ہورہی ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ یوں املا کرایا تھا۔

"تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کس کے ہیں"۔

آیت ۱۱۰ اس آیت کے ایک جُز کا ترجمہ امام احمد رضا نے یوں رقم فرمایا تھا۔

"تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں"۔

اس پر "فاضل بریلوی کا مشن" کے مصنف چراغ پا ہیں اور کلمہ حصر انما کا ترجمہ چھوڑ دینے کا الزام لگاتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"یہاں بھی مولوی احمد رضا انما کا ترجمہ کھاگئے اور یہ ترجمہ کیا: "تم فرماؤ ظاہر صورت بشر میں تو تم جیسا ہوں"۔ (صفحہ ۱۲۳)

مصنف نے یہاں ترجمہ نقل کرنے میں خیانت سے کام لیا۔ ہوسکتا ہے یہ اُن کا محبوب مشغلہ ہو۔ اس پر اُن کا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ اردو ترجمے میں کہیں لفظ 'صرف' 'ہی' یا کلمہ 'جز این نیست' شامل نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مصنف کا یہ الزام صحیح ہے یا غلط۔ جن لوگوں کو اعتراض برائے اعتراض کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ عموماً علمی دلائل کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اس لیے اس کا فیصلہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ علامہ سید ابوالحسن علی میاں ندوی نے جس ترجمے کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ بتایا ہے اُس میں دیکھا جائے کہ اُس کے مترجم علامہ محمودالحسن صاحب نے اس کا کیا ترجمہ کیا ہے۔ یہ اس لیے بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کسی سے اختلاف کریں علامہ ندوی اور علامہ محمود الحسن صاحبان سے اختلاف نہیں کرسکتے۔ قرآن کھولیے اور دیکھیے علامہ نے اس حصہ آیت کا ترجمہ اس طرح درج فرمایا ہے۔

"تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم"

اس ترجمے میں بھی "ہی"، "صرف" یا، 'جز این نیست' میں سے کچھ نہیں ہے۔ اس لیے اگر مصنف کو انصاف کا ذرہ بھر بھی پاس ہے تو وہی باتیں علامہ محمودالحسن صاحب کے بارے میں بھی لکھیں۔ جو امام احمد رضا کے بارے میں لکھ چکے ہیں۔

آخر میں فعل متعدی المتعدی کے استعمال کی بھی ایک مثال ملاحظہ فرمالیجیے۔

آیت ۱۰۰ جناب علامہ نے یوں ترجمہ عنایت فرمایا۔

"اور دکھلا دیں گے ہم دوزخ اُس دن کافروں کو سامنے"۔

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا تھا۔

"اور دکھادیں ہم دوزخ اُس دن کافروں کو سامنے"۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا تھا۔

"اور ہم اُس دن جہنم کافروں کے سامنے لائیں گے۔"

باقی آئندہ ...... انشاء اللہ

آہ: رئیس القلم۔ ارشد القادری

نتیجۂ فکر: محمد شاہ زماں برداہوی (دربھنگوی)
سینئر منیجر، سنٹرل بینک آف انڈیا، ممبئی مین آفس، فورٹ، ممبئی ۲۳

آ آسمانِ علم و عرفاں آہ وہ جاتا رہا — چھوڑ کر ہم سب کو روتا آہ وہ جاتا رہا
ہ ہے اندھیرا ہی اندھیرا ہر طرف چھایا ہوا — مردِ حق جو با وفا تھا آہ وہ جاتا رہا
ر راہ میں اس کے کوئی پتھر نہیں ایسا ملا — راستہ روکے جو اس کا آہ وہ جاتا رہا
ی یار لوگوں کی ذہانت کو بتانے کے لئے — زلزلہ، زیر و زبر تھا آہ وہ جاتا رہا
س سب کو حیرت ہوگئی تھی کیسے کر ڈالا وہاں — جیل میں سیرت کا جلسہ آہ وہ جاتا رہا
ا اب کہاں ہم کو میسر ہوگی اُن کی رہبری — تھا محافظ دینِ حق کا آہ وہ جاتا رہا
ل لے لیا جذبہ رضا کا اور پھر چلتا گیا — ایک میر کارواں تھا آہ وہ جاتا رہا
ق قائماں ایسے ادارے سیکڑوں ہیں آج بھی — سر پرستی کرنے والا آہ وہ جاتا رہا
ل لکھ گیا ہے چار درجن بیش کچھ کتب گراں — تھا دھنی کاغذ قلم کا آہ وہ جاتا رہا
م ملک انگلستان میں ہے ورلڈ اسلامک مشن — جس نے اس کو پوسا پالا آہ وہ جاتا رہا
ا آج ہے جمشید ٹاٹا کی زمیں بھی سوگوار — تھا اسی دم سے اُجالا آہ وہ جاتا رہا
ر رات، دن پڑھنا، پڑھانا اور لکھنا کام تھا — علم کا دریا بہایا آہ وہ جاتا رہا
ش شیر تھا شیرِ خدا کا دم میں وہ آتا نہ تھا — اک مناظر با اثر تھا آہ وہ جاتا رہا
د دے گیا ہم کو رفافت، جام کوثر، جام نور — تھی صحافت بھی نمایاں آہ وہ جاتا رہا
ا آگیا بلیا ضلع کو چھوڑ کر ٹاٹا مگر — مستقر اس کو بنایا آہ وہ جاتا رہا
ل لے چلے قدسی جہاں سے قادری کو اس طرح — ڈھانک کر ڈولہ دلہن کا آہ وہ جاتا رہا
ق قادری غوث الوریٰ کا ایک عاشق بے گماں — اور خواجہ کا دیوانہ آہ وہ جاتا رہا
ا ایک لمحہ بیٹھنے پاتا نہیں تھا چین سے — تھا مجاہد سنّیت کا آہ وہ جاتا رہا
د درد تھا ایسا جگر میں قوم ملت کا زماں — جو سجاتا تھا گلستاں آہ وہ جاتا رہا
ر رہنما بے خوف تھا وہ اور عالم مستند — قابلیت میں نرالا آہ وہ جاتا رہا
ی یا خدا تو قادری کو بخش دے روز جزا — وہ گدائے مجتبیٰ تھا آہ وہ جاتا رہا

الحمد للہ رب العالمین. والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین، اما بعد
فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

ہمارے اسلاف اور ہم

از: مولانا محمد علی رضا برکاتی، ممبئی

اس وقت میں ہاشمیہ ہائی اسکول میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔ ایک دن ہمارے کلاس ٹیچر جناب نثار احمد صاحب نے کسی گفتگو کے دوران ایک مشہور شعر کی تشریح پیش کردی جو آج تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ وہ شعر ہر خاص و عام کی زبان پر موجود ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

استاد صاحب نے جو تشریح پیش کی تھی وہ تو میں یہاں نقل نہیں کرسکتا کیوں کہ موضوع سے ہٹ کر بات کرنا میری عادت نہیں۔ لیکن ایک بات ایسی بھی بتائی تھی نثار سر نے جو واقعی یہاں نقل کرنے کے لائق ہے وہ یہ کہ انہوں نے بتایا کہ کسی شاعر نے اس شعر کا جواب بھی لکھا تھا وہ کچھ اس طرح تھا کہ۔

اگر روتی ہے نرگس اپنی بے نوری پہ رونے دے
کہیں رونے سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شعری فن و خوبی پر بحث تو میں نہیں کرسکتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ کسی مردہ دل کو ڈھارس بندھانے اور ایک نئی امید زندہ کرنے کے لیے واقعی یہ بہت ہی اچھا شعر ہے۔ یہ جواب شاید کہیں کہیں صحیح بھی آتا ہو۔ لیکن جس موضوع پر میں ان صفحات کو سیاہ کر رہا ہوں وہاں یہ جواب بالکل بھی صحیح نہیں بیٹھتا۔ پتہ نہیں کتنی ہزاروں درد میں ڈوبی ہوئی آنکھوں کو کتنے برسوں آنسوؤں نہیں بلکہ اپنے جگر کا خون بہانا ہوگا، پتہ نہیں کتنے ہی ناز سے اکڑے ہوئے سروں کو کتنے عرصے تک سر بجدہ میں رکھ کر بارگاہ خداوندی میں گڑگڑانا ہوگا، تڑپنا ہوگا، اپنی ناقدری کا اعتراف کرنا ہوگا اور اس کی معافی بھی چاہنی ہوگی۔ پتہ نہیں کتنے ملت کا درد رکھنے والے دلوں کو رات رات بھر تنہائی میں اس رب کریم سے التجائیں کرنی ہوں گی۔ تب شاید اس ارحم الراحمین کو ہم نا اہلوں کے حال پر کچھ رحم آئے (حالاں کہ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم پر تو اس کا عذاب ہی نازل ہونا چاہیے۔ یہ اسی کی رحمت اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا صدقہ ہے کہ ہم اتنے گناہوں اور اتنے قصوروں کے باوجود اب تک اس زمین پر زندہ ہیں اور اس کے انعامات سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔) شاید ان تڑپتے ہوئے دلوں کے صدقے میں مولیٰ عزوجل ہم گنہگاروں کے حال پر بھی نظر کرم فرمادے اور تب شاید ہمیں کوئی دوسرا احسن العلماء مل سکے، تب شاید ہمیں کوئی دوسرا شارح بخاری مل سکے، تب شاید ہمیں کوئی دوسرا حکیم اہل سنت مل سکے، تب شاید ہمیں کوئی دوسرا مفتی جلال الدین امجدی مل سکے، اور تب شاید ہمیں کوئی دوسرا رئیس التحریر مل سکے۔

ہم کتنے ناقدرے ہیں کہ یہ ہستیاں ہمارے بیچ رہیں اور ہماری رہنمائی کی کوشش کرتی رہیں لیکن ہم نے کبھی ان کی آوازوں پر لبیک نہ کہا۔ اور آج جب یہ حضرات ہم سے جدا ہو گئے ہیں تو ہماری آنکھوں سے ان کی یاد میں آنسو کا ایک قطرہ تک نہیں ٹپکتا۔ ماضی قریب میں سنیت کو جو عظیم نقصانات پہنچے ہیں ان کی تلافی واقعی برسوں میں نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ بھی کیا کہ ہم اپنے اسلاف کو بالکل بھول کر ہی بیٹھ جائیں۔ جی ہاں میں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں۔ ہم اپنے محسنوں کو بالکل بھولتے جا رہے ہیں۔ ورنہ کیا بات ہے کہ علامہ ارشد القادری جو کہ ابھی بالکل جلد ہی ہمیں داغ مفارقت دے گئے ہیں۔ آج تک ممبئی جیسے سنیوں کے شہر میں ان کے لیے تعزیت کا ایک جلسہ تک نہ ہو سکا۔ وہ ہستی جو اپنی ساری زندگی سنیوں کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے کوشاں رہی افسوس کہ ہم اس کے پردہ کرنے کے بعد بھی ایک جگہ جمع نہ ہو سکے۔ ہر ایک سنی چاہے عام ہو چاہے خاص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے اور اپنے ضمیر سے سوال کرے کہ کیا واقعی ہم نے اپنے اسلاف کی قدر کی ہے۔ اتنی اہم ہستیاں ہماری نگاہوں سے دیکھتے ہی دیکھتے اوجھل ہو گئیں اور ہم ہیں کہ اپنی ہی دنیا میں مگن ہیں۔ ہم نے ہمیشہ وہابیوں کا رد کیا ہے اور ہمیشہ ان کی مخالفت کی ہے اور کرنا بھی چاہیے اور انشاء اللہ عزوجل کرتے رہیں گے۔ لیکن سوچنے کی اور دل پر لینے کی بات ہے۔ کہ ان کا ایک فرضی مجاہد الاسلام اس جہان کو پاک کرنے کے لیے اس جہان سے چلا گیا۔ جسے کافی عرصہ بھی ہو چکا لیکن آج تک اس کے نام پر کوئی نہ کوئی تقریب ضرور ہو رہی ہے۔ جو اس کی حیات میں اسے نہیں جانتے ہوں گے انہوں نے بھی اب اسے جان لیا ہوگا۔ واقعی یہ ہمارے لیے ڈوب مرنے کی بات ہے کہ ہم نے اپنے علما جو واقعی حقیقی مجاہدین اسلام تھے انہیں اتنی جلدی بھلا دیا کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جب ہم خود بھول بیٹھے ہیں تو ہم اپنی نسلوں کے دلوں میں ان کی یاد کیسے زندہ رکھ سکیں گے؟

آج نہ کوئی شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کو یاد کر رہا ہے۔ نہ ہی کوئی مفتی جلال الدین امجدی صاحب کی یاد میں رو رہا ہے۔ اور اب تو ہم نے اپنا رئیس التحریر بھی کھو دیا ہے۔ پھر بھی ہم پر کیسا جمود چھایا ہوا ہے۔ ممبئی جیسے ممبئی میں بھی کہیں کوئی ہلچل دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں ہم اپنے مفاد کی خاطر ضرور جمع ہو جاتے ہیں اور ضرور جی جان سے کوشش بھی کر ڈالتے ہیں۔ لیکن میں ہر ایک سے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ کیا علامہ ارشد القادری کی عظیم خدمات کا یہی صلہ کافی تھا کہ ان کے نام پر چند ایک رسالوں کے چند ایک خاص نمبر نکال لیے جائیں۔ ہماری مساجد میں ان کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام کر لیا جائے۔ ہمارے مدرسوں کو کچھ دنوں کے لیے بند کر دیا جائے۔ بتائیے کیا یہی حق ہے رئیس التحریر کا ہم پر؟

افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کی یاد زندہ رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی ہے۔ غیر تو اپنے لوگوں کا ذکر کر کر کے انہیں ہماری نئی نسل کے سامنے قابل تعظیم بناتے جا رہے ہیں۔ اور ہم اپنے اسلاف کو ایک گوشۂ گمنامی میں چھپاتے چلے جا رہے ہیں۔ مانا کہ آج پریس اور میڈیا پر غیروں کا قبضہ ہے لیکن کیا صرف یہی طریقہ ہے لوگوں تک اپنی بات پہنچانے کا؟ ہم کوئی لائحہ عمل کیوں نہیں بناتے کہ جس

کے ذریعے کم سے کم ہم اپنے خیالات تو عوام کے سامنے پیش کر سکیں، کم سے کم اپنے علاقہ تک ہی سہی ہم اپنے اسلاف کی یاد زندہ تو رکھ سکیں۔ لیکن یہ سب کرے کون۔ جو پردہ کر گئے ضرور ان کے ساتھ کسی نہ کسی کا کوئی اختلاف رہا ہوگا۔ تو اب ہم اپنے مخالف کے لیے کچھ کوشش کیوں کریں؟ ان سے ہم نے ان کی حیات میں کوئی مفاہمت نہیں کی تو اب ان کے بعد ہم کیسے سمجھوتہ کر لیں؟

یہ اختلافات پتہ نہیں کب ہم سے دور ہوں گے۔ شاید اختلافات ہی ہے یا پتہ نہیں کیا بات ہے کہ آج تک ہمارے مدارس میں ''قراۃ الراشدۃ، قصص النبیین، قراۃ الواضحہ'' جیسی دیوبندیوں، ندویوں کی لکھی ہوئی کتابیں تو دھڑلے سے اور فخر کے ساتھ پڑھائی جاتی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ علامہ ارشد القادری کی ''لسان الفردوس'' کی زیارت بھی ہمیں آج تک نصیب نہیں ہوسکی۔ بس اشتہارات ہی دیکھے ہیں اور جہاں کہیں اشتہار دیکھا ساتھ ہی یہ بھی لکھا دیکھا کہ یہ کتاب عربی زبان کی درسی کتاب ہے۔ میں ہر ایک سنی دارالعلوم کے ہر ایک مہتمم سے یہ سوال کرنا چاہوں گا، ہر ایک شیخ الحدیث اور ناظم اعلیٰ سے یہ پوچھنا چاہوں گا۔ کہ آج ہم اپنے طالب علموں کو جو غیروں کی کتابوں سے درس دے رہے ہیں۔ اور جو ان کتابوں کی تعریفیں ہم خود کر رہے ہیں۔ بتایئے کہ اس طرح ہم خود اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کی تعظیم اور عقیدت اپنے بچوں کے دلوں میں بیٹھا رہے ہیں یا نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ ہم غیروں کی کتابیں تو اپنے نصاب میں شامل کرتے جا رہے ہیں۔ لیکن ہمارے رئیس التحریر کی ''لسان الفردوس'' کا تعارف تک نہیں کرایا جا رہا۔ کیا وجہ ہے کہ ہم غیروں کی تعریفیں تو کرتے ہیں لیکن ہم میں سے کوئی لکھنے والا پیدا کیوں نہیں ہوتا۔ ''البشیر، بشیر الناجیہ، بشیر الکامل، بشیر القاری'' یہ سب ہماری ہی تو کتابیں ہیں اور ہمارا ہی تو علمی سرمایہ ہے کہ جس کے سامنے وہابیوں کی علمی قابلیت کی پول کھل کر رہ جاتی ہے، لیکن ہم ہیں کہ ان کتابوں کو عام کرنے کی بجائے وہابیوں اور ندویوں کی تشریحات کو عام کر رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ آج کوئی ہمارے اس علمی سرمایہ کو بڑھاتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ بڑھانا تو چھوڑیئے آج ہماری نئی نسل تو ان کتابوں کے نام تک سے واقف نہیں ہے۔ اور کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ سنیوں کے پاس بھی درسِ نظامی کی مشہور کتابوں کی ایسی زبردست تشریحات موجود ہیں۔

سنی مدارس کے منتظمین سے میری مؤدبانہ التجا ہے کہ خدارا اب بھی موقع ہے اپنے اسلاف کو زندہ رکھنے کے لیے ان کی ان عظیم تصنیفات اور تشریحات کو اپنے طلباء کے ذہنوں میں بسا دیجئے تا کہ ان کا احساس کمتری کچھ تو کم ہو سکے۔ اور میری نظر میں علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کا یہ بھی ایک بہترین طریقہ ہو سکتا ہے کہ ان کی ''لسان الفردوس'' کو اپنے نصاب میں شامل کر لیا جائے۔ ساتھ ہی میں اپنے علما سے بھی گذارش کروں گا جو زندگی بھر درس نظامی پڑھاتے رہے ہیں۔ آپ کے لیے کوئی درسی کتاب لکھ لینا اتنی مشکل بات نہیں ہے۔ ایک ذرا توجہ دیجئے اور ہمارے مدرسوں کو وہابیوں کی اس دراندازی سے خدارا بچا لیجیے۔

علامہ ارشد القادری نے سنیت کی جو عظیم خدمات کی ہیں ان کا احاطہ اس مختصر سے مضمون میں ممکن

نہیں ہے اور نہ ہی یہ میرا موضوع سخن ہے۔ جو بات میں جتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ علامہ نے ایک عظیم کام یہ بھی کیا ہے کہ ''دعوت اسلامی'' جیسی عظیم تحریک کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آج ''دعوت اسلامی'' کو جو فروغ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں عطا کیا ہے اس میں امیر دعوت اسلامی دامت برکاتہ العالیہ کا خون جگر بھی شامل ہے۔ مجھے کہنا یہ ہے کہ ہمیشہ کی طرح ''دعوت اسلامی'' کو بھی بعض مفاد پرستوں کی نظر لگ گئی اور انہوں نے اپنی غرض اور اپنی انانیت اور اپنی واہ واہی کی خاطر اس کو تقسیم کردیا اور اس کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنالیا۔ علما کی کثیر تعداد یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی بنیادیں رکھنے، مولانا الیاس قادری کو امیر بنانے اور فیضانِ سُنّت کا خاکہ بنانے میں علامہ ارشد القادری کی ذات ہی پیش پیش رہی ہے، مسلسل اس کی مخالفت کا بیڑہ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ کیسی خدمتِ سنیت ہے؟ اگر واقعی سنیت کا درد ہے تو اب بھی اختلافات کو مٹا دیجئے اور ایک ہو کر کام کیجئے۔ شاید اس طرح بھی ہم علامہ کی روح اقدس کو کچھ تسکین پہنچا سکیں۔ اور اس طرح ہم سنیت سے بھی ایک بہت بڑے انتشار کو دور کرسکیں۔

میں لکھنا تو بہت کچھ چاہتا تھا اور چاہتا ہوں۔ لیکن وقت کی قلت اور چند نازک دلوں کی دل شکنی کا اندیشہ بھی ہے اس لیے ان ہی چند لفظوں پر اپنی انگلیوں کو کی بورڈ پر چلنے سے روکنا چاہتا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میری یہ معروضات بہت سے دلوں کو ناگوار خاطر گذریں گی۔ لیکن کب تک ان دلوں کا خیال کیا جائے کسی کو تو نشتر زنی کرکے ان دلوں میں بھرے ہوئے فاسد مادہ کو باہر نکالنا ہی ہوگا۔ چاہے پھر بدلے میں گالیاں ہی ملتی رہیں۔

آخر میں مَیں مدیر افکار رضا اور میرے برادر عزیز جناب زبیر بھائی کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے مجھ کاہل کے پیچھے لگ کر مجھ سے یہ چند سطریں لکھوالیں۔ ورنہ ''تقویت الایمان میں تحریف کیوں؟'' سے سنیوں کی صرف نگاہی دیکھ کر تو دل یہی چاہ رہا تھا کہ اب کچھ نہ لکھا جائے۔ لیکن زبیر بھائی نے پھر حوصلہ دیا ہے دیکھئے آگے کیا خدمت کرسکتا ہوں۔

بقیہ صاحبِ تصانیفِ کثیرہ شیخ المشائخ سجادہ نشین رائچور اور **مسلک اعلیٰ حضرت**:

(۵) جناب سید نجیب اشرف صاحب، (۶) جناب سید کلیم اشرف صاحب اور سب سے بڑی صاحبزادی اور اپنے نواسے مولانا سید احمد قادری کی صورت میں یادگار چھوڑیں۔ آپ نے زندگی بھر وقار و آبروئے سنیت اور عظمتِ رسول ﷺ کا پرچم لہرایا۔ آپ کی علمی وفہمی وعبقری شخصیت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ آپ نے اپنی عمر شریف کے ۱۸ ویں سال سے تصنیف وتالیف وحواشی کا سلسلہ شروع کیا۔ آخری لمحات تک ایک سو پچیس سے زائد کتب ورسائل تصنیف وتالیف فرما کر رہتی دنیا تک رشد وہدایت کے انمول تحفے چھوڑے۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی موجودہ نشین آستانہ رائچور کی دینی ومسلکی خدمات سے پورا ملک واقف ہے۔ ٥٥٥٥

وسیع الصّفات عالمِ اہل سنّت

- علامہ ارشد القادری مرحوم -

محمد توفیق احمد نعیمی، المجلس الاسلامی، شیش گڑھ، بریلی شریف

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کیا تھے......؟

- الحمد للہ وہ گلزار دبستاں کا ایک شگفتہ پھول تھے۔
- مذہبِ حق اہل سنت و جماعت کے بے باک ترجمان تھے۔
- گم گشتگانِ راہ کے لیے ایک روشن چراغ تھے۔
- نوجوان فضلائے اہل سنت کے لیے ایک پُر لطف تربیت گاہ تھے۔
- آسمانِ تحریر و صحافت کا ایک درخشندہ ستارہ تھے۔
- علم دوستی و فکر نوازی کا ایک بہترین نمونہ تھے۔
- فکر و آگاہی کے تاج محل کا ایک مرصّع بلند منارہ تھے۔
- کاروانِ اہل سنت کے تیز و تند، بے لوث امیر کبیر تھے۔

ناچیز کیا بتائے کہ وہ کیا کیا تھے؟ فصاحت و بلاغت پر ناز کرنے والوں سے پوچھو کہ وہ کیا تھے؟ میدانِ صحافت کے شہ سواروں سے پوچھو کہ وہ کیا تھے؟ علم و فضل کا نعرہ لگانے والوں سے پوچھو کہ وہ کیا تھے؟

جی ہاں! موصوف غیر منقسم ہندوستان کے نہایت ممتاز اور معزز عالمِ اہل سنت تھے۔ ایسے وسیع الصّفات عالم کا تذکرہ اس مختصر مضمون میں "چہ معنی دارد" بس انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کی سوجھی تو یہ چند صفحات معرضِ تحریر میں آگئے۔

حضرات ناظرین! یوں تو ہمارے بھارت میں ایک سے ایک بڑھ کر عالم دین موجود ہیں مگر عوام و خواص میں علامہ کو جو مقبولیت حاصل تھی وہ قابلِ رشک بھی تھی اور منفرد الوصف بھی ایسی پذیرائی کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ اگر ملتی بھی ہے تو کسی کی عوام میں تو کسی کی خواص میں، ہر طبقہ میں برابر کی مقبولیت یہ اُن کے دور میں انہیں کا حصہ تھی۔ کہنے والے کہہ سکتے ہیں آخر اس میں راز کیا ہے کہ علامہ کو مدرسے والے بھی چاہتے تھے، مسجد والے بھی، مکتب والے بھی ان پر فدا تھے، انجمن والے بھی، ناظرین کتب ان پر جان نچھاور کرتے تھے تو فضلائے زمانہ بھی ان کے مداح تھے۔ خانقاہ والے ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے تو کالج و یونیورسٹی والے بھی ان کے مقام کو سمجھتے تھے۔ اربابِ سیاست کو اگر ان کی ضرورت تھی تو اربابِ علم و دانش بھی ان سے مستغنی نہیں تھے۔ اگر وہ ہند و پاک والوں کے محبوب تھے تو عراق و لیبیا وغیرہ والوں کے بھی پسندیدہ تھے۔ ہاں! ہاں! وہ مسلمانوں کے ہر طبقہ میں مقبول تھے۔ آپ پوچھتے ہیں کہ

اس میں راز کیا تھا؟ تو سنئے:

وہ سب کو لے کر، سب سے مل کر کام کیا کرتے تھے، مثلاً:

O

مدرسے والے ہوں یا انجمن والے، بہر حال کسی بھی ادارے کے ہوں ہر ایک کو اپنے ہی ادارے کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ بعض کو تو اپنے ادارے سے اس جنون تک وابستگی ہوتی ہے کہ اگر انہیں موقع ملے تو وہ چاہیں گے کہ قوم کا سارا چندہ ان کے ہی ہتھے چڑھ جائے اور دوسروں کو پھوٹی کوڑی نہ ملے۔ مگر قربان جائیے علامہ کی ہمدردی پر کہ وہ اہل سنت کے تمام اداروں کو یکساں چاہتے تھے خواہ اپنے زیر نگرانی ہوں یا دوسروں کے زیر سرپرستی۔ جہاں بھی کہیں کسی ادارے، رسالے میں سستی کمزوری پائی فوراً اس کا نوٹس لیا خود بھی تعاون کیا دوسروں کو بھی ترغیب دلائی، چندہ کے لیے پُر تاثیر اعلانات شائع کرائے، مفید مشوروں سے نوازا۔

O

ملک و بیرون ممالک دورہ کرنے والے علما و مشائخ کی ایک لمبی فہرست ہے انہیں میں سے ایک علامہ تھے وہ جہاں کہیں بھی گئے سنیت کا دور ساتھ میں لے کر گئے۔ بکھرے ہوؤں کو جوڑا، دل برداشتہ ہوکر بیٹھنے والوں کو ہاتھ پکڑ پکڑ کر اٹھایا، ست رفتاروں کے اجسام میں روح پھونکی، خواب خرگوش کے مزہ لینے والوں کو بیدار و ہوشیار کیا۔ کہیں مدرسے کھولے، کہیں مسجدیں بنوائیں، کہیں انجمنوں کا قیام کیا، کہیں تربیت گاہوں کا جلوہ دکھایا۔ نتیجۃً عالم، فاضل، مصنف، ادیب، نقیب، خطیب، داعی وغیرہ پیدا ہوئے۔

من جملہ انہوں نے اپنے ہر دورہ میں اپنے ذرائع کی حد تک یہی کوشش کی کہ اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اہل سنت کے کھاتہ میں جانا چاہیے۔

جب کہ اس کے برعکس زیادہ تر بنام تبلیغ دورہ کرنے والے بلکہ علامہ سے کہیں زیادہ اثر و رسوخ رکھنے والے حضرات اس طرح کے کارناموں سے کوسوں دور ہیں۔ ہاں بس یوں ہی رکھ رکھاؤ کے لیے کچھ کام ان معززین نے کیے ہیں۔ جب کہ وہ سیدھے ہو جائیں تو جہاں پہنچیں انقلاب برپا کردیں اور ملک و بیرون ملک مدراس و مکاتب، مراکز و مجالس کا جال بچھادیں۔ مگر اس طرف ان کی کوئی خاص توجہ نہیں جب کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اغیار انھیں جیسے کاموں کے ذریعہ اہل سنت کا دائرہ محدود کرتے جا رہے ہیں۔ علامہ صاحب کو اس کا پورا پورا احساس تھا اور یہ سب کارنامے ان کے اس احساس ہی کا تو نتیجہ ہیں۔

O

عام طور سے بھارت کے علما نے "باہمی رابطہ" کو عزت نفس کے خلاف تصور کر رکھا ہے بلکہ ہمارے زیادہ تر اکابر، اصاغر سے رابطہ قائم کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں۔ اصاغر نوازی کیا ہے؟ اگر اس کو آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو علامہ کی تاریخ حیات اٹھا کر دیکھیے معلوم ہو جائے گا۔ بحمد للہ انہوں نے اس وصف سے کام لے کر مذہب و مسلک کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں اور کتنے اصاغر کو اکابر کی صف میں

لاکر کھڑا کر دیا۔

مدارس ہوں یا خانقاہیں، علماء ہوں یا دانشوران ان کا کام قابل ذکر شخصیات سے رابطہ تھا بلکہ یوں کہیے کہ انہوں نے پورے بھارت کو اپنی حکمت عملی سے اپنا لیا تھا۔ کام والوں سے خوب خوب کام لیا اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے والوں کو کام سے لگایا۔

باہمی رابطہ کو وہ کس قدر اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ''المجلس اسلامی'' کی پہلی مطبوعہ کتاب ''اعلیٰ حضرت اور ان کے ترجمۂ قرآن کی خوبیاں'' بذریعہ پوسٹ حاضر بارگاہ کی گئی تو حضرت نے فوراً عاجز کو جواب سے مشرف فرمایا۔ وھوھذا:

''۸۶/۷/۹۲ محترمی! زید احترامکم وعلیکم السلام

آپ کا کتابچہ ملا۔ سنیت کی اشاعت کے سلسلے میں آپ کا جذبہ قابل قدر ہے۔ میری ایک نئی کتاب بنام ''دعوتِ انصاف'' جلد ہی شائع ہوگی۔ بریلوی دیوبندی اختلاف پر اپنے رنگ کی بالکل نرالی کتاب ہے۔ اس کے لیے آپ مکتبہ جام نور ۴۲۲، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶ کو لکھئے۔ صرف چالیس صفحات کی ہے۔ زیادہ ضخیم نہیں۔ آپ اپنی ''ایسوسی ایشن'' کی طرف سے سیکڑوں کی تعداد میں مفت تقسیم کرائیے اور دوسروں کو بھی ترغیب دلائیں۔ کتاب ایسی ہے کہ اس سے متاثر ہوئے بغیر کوئی رہ نہیں سکتا۔

والسلام دعاگو ارشد القادری

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء اسٹریٹ ۲۲، ذاکر نگر نئی دہلی ۲۵

O

الحمد للہ دنیائے تصنیفات میں ہماری جماعت میں ایک سے ایک بڑھ کر قلم کار موجود ہیں۔ مگر علامہ کے قلم کی شان ہی کچھ اور تھی، واقعی وہ رئیس القلم تھے۔ ان کی وقیع تحریرات اردو زبان وادب کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان کا انداز بیان قارئین کے لیے روح کا کام کرتا ہے۔

ان کی ''زلزلہ'' نامی کتاب کا تو کوئی جواب ہی نہیں حالانکہ مخالفین نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی، مگر ناکام و نامراد بلکہ اپنے جواباتِ مزعومہ پر شرمندہ۔ حضرت علامہ کی یہ ایک ایسی بے مثال خدمتِ دین ہے کہ جس نے پوری دنیائے اہل سنت کا سر فخر سے اونچا کر دیا اور مخالفین کو علمی دنیا میں انتہائی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ بعض مخالفین نے برملا اعتراف کیا کہ ''زلزلہ'' کا ہمارے پاس کوئی جواب ہی نہیں ہمارے لیے تو جان بچانے کا بس ایک ہی راستہ کہ ''ارواحِ ثلثہ'' وغیرہ کتب کو بیچ چوراہے پر رکھ کر آگ لگادی جائے اور صاف صاف کہہ دیا جائے کہ فلاں فلاں ہماری کتابیں ہیں ہی نہیں۔

حق تو یہ ہے کہ زلزلہ کی اشاعت کے بعد جواب لکھنے کے بجائے مخالفین کو مارے غیرت کے چلو بھر پانی میں ڈوب کر مر جانا چاہیے مگر ان میں غیرت کہاں؟ کہ جو بھری خانقاہ میں بھی غیرت کو نیلام کرنے سے نہ چوکیں۔ الغرض ''زلزلہ'' ہر اعتبار سے ایک عمدہ کتاب ہے۔ کیا علامہ کی یہ خدمت ایوارڈ کے لائق نہیں تھی؟

بقیہ صفحہ:

رئیس القلم! مسلکِ رضا کے ترجمان

غلام مصطفیٰ رضوی، رُکن نوری مشن، مالیگاؤں

حق گو کی نظر حقائق پر ہوتی ہے۔ وہ محض افتراء پردازیوں اور دشنام طرازیوں کو خاطر میں نہیں لاتے، سچائی کو فوقیت دیتے ہیں۔ رئیس القلم علامہ ارشد القادری، چونکہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے سچے ترجمان تھے اس لیے ان کی حق گوئی اور سچائی روشن و ظاہر تھی، جس کے جلوے آپ کی تحریروں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ رئیس القلم علامہ ارشد القادری کی تحقیق و جستجو میں حق بیانی کا عنصر موجزن ہوتا اور دلائل کی فراوانی ہوتی۔

رئیس القلم، فروغِ حق کے لیے وسائل کی تلاش میں سرگرداں رہتے، کبھی دُنیاوی آسائش کی طلب نہیں کی، بس ایک ہی مقصدِ حیات رہا۔ جادۂ حق، صراطِ مستقیم پر قوم کو گامزن کر کے باطل کے حربوں سے ایمان کو تحفظ دینا۔ نئی سازشوں اور نت نئے فتنوں کے سیلان میں علامہ ارشد القادری نے امام احمد رضا محدث بریلوی کے طریقۂ کار کو اپنا کر اُٹھنے والے بد اعتقادی کے طوفان کا ردِّ بلیغ اپنے قلم سے فرما کر ''رئیس القلم'' کے اسم بامسمّٰی قرار پائے۔ عقائد و ایمان کی درستگی کرنے والی ایمان افروز کتابیں قوم کو دیں۔ زلزلہ، زیر و زبر، تبلیغی جماعت جیسی تصانیف بے شمار لوگوں کے عقیدے کی اصلاح کا سبب بنیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کے طریقۂ تبلیغ پر عمل کا اثر تھا، جس نے علامہ ارشد القادری کی تصانیف میں، امام احمد رضا کی تصانیف کے حوالے اور طریقۂ ردِّ بد مذاہب میں برسرِ عمل لا کر حقانیت کی منزل کا ''رہبر و رہنما'' بنایا۔ آپ اپنی تصنیف ''زلزلہ'' کے دور رس فوائد، اصلاحِ عقائد و عالمی مقبولیت کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''سب سے پہلے میں خدائے قادر و کریم کی بارگاہ میں خراجِ تشکر پیش کرتا ہوں کہ اُس نے ''زلزلہ'' کے ذریعہ لاکھوں سرگشتگانِ وادیٔ ضلالت کو حق و ہدایت کی منزل کی طرف پلٹنے کی توفیق مرحمت فرمائی اور صرف اپنے فضل و کرم سے قلم کی ایک حقیر خدمت کو عالمی شہرت و اعزاز کا شرف بخشا۔''

(زلزلہ ابتدائیہ، از: علامہ ارشد القادری، صفحہ ۶)

تحقیقی امور میں علامہ ارشد القادری حق بیانی کی تائید کرتے۔ غلط بیانی سے کام لینے والے مؤرخین کی مذمت کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ نویسوں کی اختراع اور سچائی سے اجتناب پر بہتر گرفت کرتے ہیں، جیسا کہ حسد کی بنیاد پر تاریخ نویسوں میں سے بعض نے غلط بیانی سے کام لے کر امام احمد رضا کی ذات کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ علامہ ارشد القادری، تاریخ کی تعریف امام احمد رضا کے متعلق ہوئے پروپیگنڈے کے ذکر کے پس منظر میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''عصر حاضر کے مؤرخین نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی عبقری شخصیت، ان کی علمی جامعیت، ان کی دینی و ملی خدمات اور ان کے گراں بہا تجدیدی کارناموں کے ساتھ صرف اس لیے انصاف نہیں کیا

کہ وہ انہیں اپنے خیمے کا آدمی نہیں سمجھتے۔ حالاں کہ مؤرخ کی حیثیت تاریخ ساز کی نہیں صرف تاریخ نویس کی ہوتی ہے۔ وہ تاریخ بناتا نہیں بلکہ شخصیتوں کی بنائی ہوئی تاریخ صرف قلم بند کرتا ہے۔"

(مقدمہ امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات، علامہ ارشد القادری صفحہ ۲۹، ۳۰)

اگر مخالفین بحیثیت مؤرخ، امام احمد رضا کی تصانیف کا مطالعہ کرتے، دیانت دار اور مصنف بن کر تاریخ رقم کرتے تو امام احمد رضا کے متعلق صفحۂ قرطاس الزامات کی بوچھار سے داغدار نہیں ہوتے...... ضرورت امام احمد رضا کی تصانیف سے استفادے کی ہے، شعور و فکر کی تنگ نظری کا خاتمہ امام احمد رضا کے پاکیزہ افکار کے مطالعہ سے ہوتا اور حق گوئی و حق شناسی کا شعور ملتا۔

امام احمد رضا کی فنِ شعری میں مہارت پر علامہ ارشد القادری نے نئے گوشے اجاگر کیے ہیں، جن میں محسوسات و فنی محاسن اور مقصدیت نکھر کر سامنے آتی ہے۔

"اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نعت گوئی کا ایک رُخ جس پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہ ہے کہ انہوں نے کوئی نعت اس لیے نہیں لکھی کہ اسے کسی مشاعرے میں پڑھ کر سننے والوں سے داد وصول کریں۔ اگر یہ امر واقعہ ہے تو سوال اٹھتا ہے کہ حسن چاہے کلام میں ہو یا چہرے میں وہ فطری طور پر اپنی نمائش چاہتا ہے۔ اگر انہیں اپنا کلام اصحابِ ذوق کے سامنے پیش نہیں کرنا تھا تو پھر بتایا جائے کہ اس کے وجود میں آنے کا داعیہ کیا تھا؟"

(مقدمہ امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، علامہ ارشد القادری، صفحہ ۲۷)

شعر گوئی کے فن میں امام احمد رضا کی طبع آزمائی کے اسباب اور کلامِ رضا کی حقیقت پر علامہ ارشد القادری نے منفرد انداز میں تذکرہ نویسی کی ہے، جس میں خیالات کی پاکیزگی کی لطافت بھی دوچند ہے اور پیغامِ عقیدت بھی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں، سر دُھنیں اور سرور و مقدم حاصل کریں۔

"ان کے یہاں واردات کا محور کوئی فرضی محبوب نہیں ہے بلکہ ایک ایسا حقیقی محبوب ہے جو اُن کی رگِ جاں سے بھی قریب ہے اور جو سمیع بھی ہے اور بصیر بھی۔ جسے اپنا نغمۂ محبت اور نالۂ دل خود محبوب ہی کو سنانا ہو اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ دوسروں کو سنانے کے لیے طبع آزمائی کرے۔

اب رہ گیا سوال داد و تحسین کا تو جب کسی غیر کی تعریف پر مشاعرے کے سامعین داد دینے میں بخل نہیں کرتے تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حقیقی ممدوح جس نے اپنے مداحوں کو ہمیشہ خلعتِ شاہانہ سے نوازا ہے وہ حدائق بخشش کو بھی اگر اپنی بخشش و عنایات سے نہال کردے تو مقامِ حیرت کیا ہے؟ پھر سوال اُٹھتا ہے کہ اگر درمیان میں مدینہ سے چلنے والی نسیمِ رحمت کا ہاتھ نہیں تو بتایا جائے کہ آج ہند و پاک سے لے کر زمین کے کناروں تک ہر صحیح الاعتقاد مسلم آبادی میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نعتیہ نغموں کو کس نے پہنچا دیا ہے؟"

آگے استعجابی انداز میں رئیس القلم، امام احمد رضا کے مشہور زمانہ، مقبول عام، زبان زد ترانہ عاشقان، قصیدۂ سلامیہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

"مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام' اگر بارگاہِ رسالت سے خلعتِ قبول حاصل نہیں کر چکا ہے تو ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکہ کے ہر کشور میں یہ ترانۂ محبت کس کے کرم سے گونج رہا ہے؟"

(مقدمہ امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات، علامہ ارشد القادری صفحہ ۲۷، ۲۸)

علامہ ارشد القادری کا اسلوبِ خطابت سادہ اور دل نشیں تھا، جذبات کے بجائے شعور وفکر کا بانکپن اور حق کی راہ پر گامزن کرنے کا جذبہ غالب ہوتا۔ لہجہ سادہ، زبان شستہ مگر محبت رسول ﷺ سے درخشاں ہوتی۔ راقم نے دو تقریریں بذریعہ کیسٹ سماعت کرنے کے بعد رئیس القلم کے اندازِ خطابت کے دو اوصاف ممتاز پائے۔

(۱) عقیدے کی اصلاح (۲) مثالوں اور دلیلوں کے ذریعہ وضاحت۔

عمل کی بنیاد عقیدے پر ہے۔ عقیدہ کمزور ہو تو اعمال برباد ہو جاتے ہیں اس لیے رئیس القلم نے ذہن کو اسلامی فکر پر استوار کرنے کے لیے عقیدے کی اصلاح پر توجہ مرکوز رکھی۔ یہ منہج آپ کی تصانیف کے ساتھ ہی خطابت میں بھی موجود رہی۔

برصغیر کی عظیم و مرکزی درسگاہ "الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور" کے بانی حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان جو کہ علامہ موصوف کے استاذ بھی تھے، ان کے حوالے سے اپنے مشن" امام احمد رضا محدث بریلوی کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل و عقیدے کی اصلاح" کو رئیس القلم خود بیان کرتے ہیں جس میں حضور حافظِ ملت کی عظمت پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔

"میرے پاس فکر و شعور اور علم و فن کی جو بھی پونجی ہے وہ انہیں کے علمی فیضان، روحانی توجہ اور ان کی مستجاب دعاؤں کی برکت ہے ان کی دلنواز شفقت و رحمت نے میری فکر کو بالیدگی، میری زبان کو گویائی اور میرے قلم میں امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی کے مسلک عشق و عرفان کی ترجمانی کا شرف بخشا اور ان کی فکری تربیت کا سب سے بڑا احسان یہ ہیکہ باطل قوتوں سے مجھے لڑنے کا جذبہ عطا ہوا۔"

(سوغات رضا، صفحہ ۲۸)

ذہن سازی اور حق بیانی از بر کرانے کے لیے رئیس القلم مثالوں کے ذریعہ اپنی بات کو پیش کرتے جسے کم پڑھا لکھا شخص بھی خوب سمجھ کر حق و ناحق میں امتیاز کر سکتا ہے، اس لیے دلائل اور مثالوں کے ذریعہ بات کو پیش کرنا 'رئیس القلم' کی خطابت کا اہم پہلو تھا۔

حضرت رئیس القلم کی بنگلور کی ایک تقریر کا اقتباس قارئین کے ذوق کے لیے پیش ہے، جس میں امام احمد رضا کے اشعار کی ترجمانی، مختصر و سادہ جملوں میں سوزِ عشق کے ساتھ مؤثر پہلو لیے دعوتِ عمل دے رہی ہے۔ آپ اعلیٰ حضرت کے ایک شعر کے تذکرے میں لب کشا ہوتے ہیں۔

"..........اور ہماری پونجی کیا ہے؟..........عشقِ مصطفیٰ (ﷺ)..........ناموسِ رسول ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا

درد کا لوگ علاج کراتے ہیں......... بریلی کا امام، درد کو بڑھانا چاہتا ہے.........

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں

اس امام کی رات کیسے کٹتی ہے .... عشق رسول میں......... کہتے ہیں......... شعر سنیئے گا رات کیسی کٹتی ہے عاشق رسول کی.........

رات بھر دیدۂ نمناک میں لہراتے رہے
سانس کی طرح سے وہ آتے رہے جاتے رہے

جس کی راتیں اس طرح کٹتی ہوں......... اس کے عشق کا کیا پوچھنا!!......... یہ انہیں کے عشق کی تو گرمی ہے جو آج اہلسنت کے سینوں کو گرمائے ہوئے ہے۔" (بنگلور کے خطاب کا ایک اقتباس)

امام احمد رضا محدث بریلوی کے شہرۂ آفاق ترجمۂ قرآن 'کنزالایمان' پر تحقیقی کام مسلسل ہورہے ہیں۔ بہت سے مقالے دیگر تراجم کے تقابلی جائزے کے تحت لکھے گئے۔ لسانی، معنوی، ادبی اور بلحاظ جامعیت کنزالایمان پر تحقیقی امور انجام دیئے گئے۔ علامہ ارشد القادری نے اس موضوع پر جداگانہ انداز میں مقالہ لکھا جسے اگر اغیار بھی بچشم قلب پڑھ لیں تو کنزالایمان کی حقانیت تسلیم کئے بغیر نہیں رہیں گے۔ آپ نے کنزالایمان کے مقام کو سہ پہلو سے اُجاگر کیا ہے، جو اس طرح ہیں:۔

پہلا رُخ: ترجمے میں قرآن کے نصوص (مضمرات کی رعایت)

دوسرا رُخ: ترجمے میں اختصار اور جامعیت

تیسرا رُخ: شگفتہ زبان

آپ نے یہ طویل مقالہ "کنزالایمان کا مطالعہ تین رخ سے" عنوان کے تحت ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی) کی جانب سے منعقدہ "امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس ۱۹۹۱ء" میں لاہور کی نشست میں پیش کیا تھا جو بعد میں ماہنامہ حجاز دہلی کے صفحات کی زینت بنا۔

مسلمانوں کی معاشی، سماجی، سیاسی، عمرانی برتری اور دینی شعبہ میں رہنمائی کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ایک مفید و جامع رسالہ "تدبیر فلاح ونجات و اصلاح" تحریر فرمایا، جو ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا، جس میں تعمیری فکر کا چوتھا نکتہ "علم دین کی ترویج و اشاعت کریں" امام احمد رضا کے اس درس کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ فتنوں اور سازشوں کے اس دور میں سب سے زیادہ کارگر حملہ مسلمانوں کو علم دین سے دور کرنے کا ہوا۔ علم دین سے دوری کے سبب عقیدے میں بگاڑ ہوتا ہے۔ اصولی زندگی، عقیدے کی صحیح روش و اصلاح کے لیے "علم دین" کا حصول فرض قرار دیا گیا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کے پیش کردہ ضابطہ "عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲، ص ۱۳۳) اور رسالہ تدبیر "فلاح ونجات و اصلاح" کے نکتۂ علمی پر رئیس القلم علامہ ارشد القادری نے عمل کر دکھایا۔ آپ کی شبانہ روز کاوشوں کے نتیجے میں اندرونِ ہند سے لے کر مغربی ممالک تک اشاعتِ علم کے مراکز قائم

ہوئے۔ علامہ مبارک حسین مصباحی لکھتے ہیں:

"علامہ صاحب کی شخصیت اس رُخ سے بھی بڑی بلند ہمت، پُر عزم تھی انہوں نے ایک طرف تو درجنوں ادارے اور تحریکیں قائم کیں اور وہ بھی بالکل بے آب وگیاہ زمینوں میں۔ جن مقامات سے علمائے اہلسنت بادِ صبا کی طرح گزر جاتے تھے آپ نے ان مقامات پر سنیت کے پُر شکوہ اور نا قابل شکست قلعے تعمیر کیے جن کی بلند فصیلوں اور پُر شوکت میناروں پر مسلکِ اعلیٰ حضرت زندہ باد کا فلک بوس پرچم مخالفتوں کے طوفانوں میں بھی لہرا رہا ہے، اور دین و دانش کے ان پُر نور چراغوں سے نئے چراغ جلانے کی روایت بھی آگے بڑھ رہی ہے۔"

(ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور صفحہ ۲۱، جون جولائی ۲۰۰۲ء)

علامہ ارشد القادری کے قائم کردہ تعلیمی اداروں میں چند کے اسماء نقل کرتا ہوں۔ بیرونِ ہند میں جامعہ مدینۃ الاسلام (ڈین ہاگ، ہالینڈ)، اسلامک مشنری کالج (بریڈفورڈ۔ برطانیہ)، دارالعلوم علیمیہ (سرینام۔ امریکہ) علاوہ ازیں ہندوستان میں خصوصیت سے مدرسہ فیض العلوم (جمشید پور)، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء (دہلی) وغیرہ علومِ دینیہ کے ساتھ عصری تقاضوں کے مطابق علوم وفنون کی ترویج میں منہمک ومتحرک ہیں۔

بارگاہِ امام احمد رضا محدث بریلوی میں حضرت رئیس القلم علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی اظہارِ محبت وخراجِ تحسین سے معمور دعائیہ کلمات پر قلم کی جنبش ختم کرتا ہوں جو ماہنامہ اشرفیہ میں بحوالہ جام نور شائع ہوا۔

"اے احمد رضا! تمہاری تربت پر شام وسحر رحمت ونور کا ساون برسے، تمہارے قلم کی روشنائی نے شہیدوں کے لہو کی طرح چمنستانِ اسلام کو لالہ زار بنا دیا۔ تم نے آندھیوں کی زد پر عشق کا چراغ جلایا اور خون کے ایک ایک قطرہ سے محبت کا خراج وصول کیا۔

دنیائے اسلام کے محسن! تم نے حق و باطل کے درمیان اتنی واضح لکیر نہ کھینچ دی ہوتی تو آج اُمنڈتے ہوئے ان سیاہ فتنوں کے ہجوم میں اُمتِ مسلمہ کا کیا حال ہوتا۔ کیا معلوم کہ ہم سرگشتگانِ بادۂ غفلت عقلِ غلط اندیش کی رہنمائی میں کہاں بھٹکتے ہوتے۔

اے اہلسنت کے امام! خدائے غافر وقدیر تمہاری خواب گاہ کو رحمتوں کے پھولوں سے بھر دے۔ تمہارا یہ احسان ہم کبھی نہیں بھول سکتے کہ تم نے نہایت نازک وقت میں ایمان کے ساتھ ہماری روحوں کا سررشتہ ٹوٹنے سے بچالیا"۔

0000

امام احمد رضاخاں رحمۃ اللہ علیہ کے نظریۂ تعلیم کی

چیدہ چیدہ خصوصیات

از: محمد سلیم اللہ جندران۔ پاکستان

(۱) مقصودِ علم:۔

''طلب العلم فریضۃ......'' کے تحت امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ مسلمان مرد و عورت پر طلبِ علم کی فرضیت انہی علوم پر ہے جن کا تعلم فرضِ عین ہو اور ان علوم کا سیکھنا فرضِ عین ہے جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو۔

(۲) عالم کے لقب کا استحقاق:۔ فرماتے ہیں:

''علما وارثِ انبیاء ہیں۔ انبیاء نے درم و دینار ترکہ میں نہ چھوڑے علم اپنا ورثہ چھوڑا ہے۔ یہ وہی عظیم دولت، نفیس مال ہے جو انبیاء علیہم الصلوۃ و السلام نے اپنے ترکہ میں چھوڑا ...... اس کے جاننے والے کو لقب عالم و مولوی کا استحقاق ورنہ مذموم و بد ہے جیسے فلسفہ و نجوم یا لغو و فضول جیسے قافیہ و عروض یا کوئی دنیا کا کام جیسے نقشہ و مساحت بہرحال ان فضائل کا مورد نہیں نہ اس کے صاحب کو عالم کہہ سکیں۔''

(۳) استاد کا مقام:۔

آپ (۱۳۳۵ھ) فرماتے ہیں!

''پیر و استادِ علمِ دین کا مرتبہ ماں باپ سے زیادہ ہے وہ مربی بدن ہیں یہ مربی روح۔ جو نسبت روح سے بدن کو ہے وہی نسبت استاد و پیر سے ماں باپ کو ہے''۔

(۴) شاگرد پر استاد و معلم کے حقوق:۔

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''عالم کا جاہل اور استاد کا شاگرد پر ایک ایسا حق ہے برابر اور وہ یہ کہ

۱۔ اس سے پہلے بات نہ کرے۔
۲۔ اس کے بیٹھنے کی جگہ اس کی غیبت میں بھی نہ بیٹھے۔
۳۔ چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے۔
۴۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنے استاد کے حقوق واجب کا خیال رکھے۔
۵۔ اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے یعنی جو کچھ اس سے درکار ہو خاطر حاضر کرے اور اس کے قبول کر لینے میں اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے۔
۶۔ استاد کے حق کو اپنے ماں باپ اور تمام مسلمان کے حق سے مقدم رکھے۔
۷۔ جس نے اچھا علم سکھایا اگرچہ ایک ہی حرف پڑھایا ہو اس کے لیے تواضع کرے اور لائق

نہیں کہ کسی وقت اس کی مدد سے باز رہے۔

۸۔ اپنے استاد پر کسی کو ترجیح نہ دے اگر ایسا کرے گا تو اس نے اسلام کے رشتوں سے ایک رسی کھول دی۔

۹۔ عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً استاذِ علمِ دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پرنور سید عالم ﷺ ہے۔ ہاں اگر وہ کسی خلاف شرع بات کا حکم کرے ہرگز نہ مانے کہ لا طاعة لاحد فی معصية الله تعالیٰ مگر اس نہ ماننے میں گستاخی و بے ادبی سے پیش نہ آئے۔

(۵) استاد کی تعظیم :۔

امام احمد رضا (۱۳۱۳ھ) فرماتے ہیں:

"استاد کی تعظیم سے ہے کہ وہ اندر ہو اور یہ حاضر ہو تو اس کے دروازے پر ہاتھ نہ مارے بلکہ اس کے باہر آنے کا انتظار کرے اگر استاد کسی خلاف شرع بات کا حکم کرے ہرگز نہ مانے مگر اس نہ ماننے میں گستاخی و بے ادبی سے نہ پیش آئے بکمال عاجزی وزاری معذرت کرے۔"

(۶) مقرر و واعظ کے لیے قابلیت کی شرط:۔

اعلیٰحضرت (۱۳۳۳ھ) فرماتے ہیں:

"وعظ میں اور ہر بات میں سب سے مقدم اجازت اللہ و رسول ہے جل اللہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم۔ جو کافی علم نہ رکھتا ہو اُسے وعظ کہنا حرام ہے اور اس کا وعظ سننا جائز نہیں۔"

(۷) فتنہ پرداز مقرر کا بیان :۔

ایسے واعظین، مقررین جن کے بیان سے فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو ان کے متعلق آپ (۱۳۳۳ھ) فرماتے ہیں:

"اگر کسی کے بیان سے فتنہ اٹھتا ہو تو اسے بھی روکنے کا امام اور اہلِ مسجد سب کو حق ہے۔"

(۸) استاد کا انکار :۔

(۱۳۳۶ھ) فرماتے ہیں

"استاد کا انکار کفرانِ نعمت ہے اور کفرانِ نعمت موجب سزا و عقوبت۔"

اگر کوئی صاحب اہلِ علم ہو کر اپنے استاد مربی کا انکار کرے تو آپ فرماتے ہیں "اگر اس شخص نے بلاوجہ شرعی محض وتکبر وعناد کے سبب وہ الفاظ کہے تو ضرور گنہ گار اور سخت مواخذہ کا سزاوار ہوگا۔" (۴۵۴:)

(۹) استاد کے لیے اعزاز و امتیاز :۔

ایک ایسا شخص کہ تمام شہر کا استاد ہے اس کے لیے اعزاز و امتیاز امام احمد رضا خان (۱۳۱۲ھ) جائز قرار دیتے ہیں۔ تصریح فرماتے ہیں، علما سادات کو ربّ العزت عزّ وجل نے اعزاز و امتیاز بخشا تو ان کا عام مسلمانوں سے زیادہ اکرام امرِ شرع کا امتثال اور صاحبِ حق کو اس کے حق کا ایفا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ جل وعلا نے ہی علما و جہلا کو برابر نہ رکھا تو مسلمانوں پر بھی ان کا امتیاز لازم اسی باب سے ہے۔

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مثال پیش کرتے ہیں کہ ان کی خدمت اقدس میں ایک سائل کا گزر ہوا اسے ایک ٹکڑا عطا فرمادیا۔ ایک شخص خوش لباس شاندار گزرا تو اسے بٹھا کر کھانا کھلایا۔ اس بارے

استفسار پر ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد نبوی ﷺ پیش فرمایا:

"ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے لائق برتاؤ کرو۔"

ہاں! امام صاحب یہ ضرور لکھتے ہیں کہ "علما سادات کو یہ ناجائز ممنوع ہے کہ آپ اپنے لیے سب سے امتیاز چاہیں اور اپنے نفس کو اور مسلمانوں سے بڑا جانیں کہ یہ تکبر ہے اور تکبر بندہ کے حق میں گناہِ کبیرہ ہے۔"

(۱۰) حروف تہجی کا ادب:۔ فرماتے ہیں۔

"حروف تہجی خود کلام اللہ ہیں کہ ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئے۔"

مزید لکھتے ہیں۔ "نفس حروف قابلِ ادب ہیں اگر چہ جدا جدا لکھے ہوں جیسے تختی یا وصلی پر۔"

(۱۱) کتاب کی تعظیم و تکریم:۔ آپ تصریح فرماتے ہیں:۔

"کتاب پر دوات رکھنا منع ہے مگر جب لکھتے وقت ضرورت ہو...... اگر کسی صندوق یا الماری میں کتابیں رکھی ہوں تو ادب یہ ہے کہ اس کے اوپر کپڑے نہ رکھے جائیں۔"

(۱۲) سند علم کی حیثیت:۔ امام احمد رضا (۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں:

سند کوئی چیز نہیں بہترے سند یافتہ محض بے بہرہ ہوتے ہیں اور جنہوں نے سند نہ لی ان کی شاگردی کی لیاقت بھی ان سند یافتوں میں نہیں ہوتی۔ علم ہونا چاہیے۔"

حدیث پاک کا حوالہ دیتے ہیں: "جو بغیر علم کے قرآن کے معنی کہے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ بنالے۔"

(۱۳) استاد کی ضرورت:۔ فرماتے ہیں:

"علم الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔ مفتیانِ کامل کے بعض صحبت یافتہ کہ ظاہری درس و تدریس میں پورے نہ تھے مگر خدمتِ علما کرام میں اکثر حاضر رہتے اور تحقیقِ مسائل کا شغل ان کا وظیفہ تھا فقیر نے دیکھا کہ وہ مسائل میں آج کل کے صدہا فارغ التحصیلوں سے بلکہ مدرسوں، نام کے مفتیوں سے بدر جہا زائد تھے۔"

(۱۴) بوسیدہ کتابوں کو جلانا:۔ فرماتے ہیں:

"احراقِ مصحف بوسیدہ و غیر منتفع علما میں مختلف فیہ ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ جائز نہیں..... ایسے مصاحف کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کرنا چاہیے"۔

(۱۵) دینی کتب کی تحقیر کفر:۔

امام احمد رضا خان (۱۳۱۶ھ) کتب فقہ کی روشنی میں فرماتے ہیں:

"شرح مطہر کو ایسا ویسا یعنی حقیر جاننے والا قطعاً اجماعاً کافر، مرتد، زندیق، ملحد ہے... اسی طرح جو تفسیر جلالین شریف خواہ کسی کتاب دینی کی فی نفسہ نہ کسی امر خارج عارض کا باعث بلاشبہہ تاویل تحقیر کرے کافر ہے"۔

(۱۶) عبارت کتب میں اپنی طرف سے الفاظ کا اضافہ:

امام احمد رضا خان (۱۳۴۰ھ) براو سخن پروری عبارت کتب میں اپنی طرف سے چند الفاظ داخل کر کے علما کرام اور حتی کہ استاد عظام خود کو دھوکہ دینے کے متعلق فرماتے ہیں:

"سخن پروری یعنی دانستہ باطل پر اصرار و مکابرہ ایک کبیرہ۔ کلمات علما میں کچھ اضافہ اپنی طرف سے الحاق کر کے ان پر افتراء دوسرا کبیرہ۔ علما کرام اور خود اپنے اساتذہ کو دھوکہ دینا خصوصاً امر دین میں تیسرا کبیرہ۔ یہ سب خصلتیں یہود لعنھم اللہ تعالیٰ کی ہیں۔"

قال اللّٰہ تعالیٰ و لا تلبسوا الحق بالباطل و تکتموا الحق و انتم تعلمون.

(۱۷) مختلف زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم:۔

قرآن شریف میں عربی عبارت کے نیچے اردو میں ترجمہ اور انگریزی یا بنگلہ زبان میں مطالب و شان نزول اور قصص کے لکھنے کے متعلق امام احمد رضا ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"(یہ) جائز ہے جبکہ فائدے مطابق شرع ہوں"۔

(۱۸) ہندی و انگریزی زبان کی تدریس:۔

امام احمد رضا (۱۲ رذی الحج ۱۳۳۹ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

"غیر دین کی ایسی تعلیم کہ تعلیم ضروری دین کو روکے مطلقاً حرام ہے فارسی ہو یا انگریزی یا ہندی ..... عقائد باطلہ کہ فلسفۂ قدیمہ جدیدہ میں ہیں ان کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے کسی زبان میں ہو.... اگر جملہ مفاسد سے پاک ہو تو علوم آلیہ مثل ریاضی و ہندسہ و حساب و جبر و مقابلہ و جغرافیہ و امثال ذلک ضروریات دینیہ سیکھنے کے بعد سیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں کسی زبان میں ہو اور نفس زبان کا سیکھنا کوئی حرج رکھتا ہی نہیں"۔

(۱۹) انگریزی زبان کی تدریس و تعلیم موجب اجر:۔

امام احمد رضا خان کے نزدیک حسنِ نیت سے سیکھی گئی انگریزی زبان کی تعلیم موجبِ اجر بن جاتی ہے۔ آپ (۱۳۱۳ھ) فرماتے ہیں:

"ذی علم مسلمان اگر بہ نیت رد نصاریٰ انگریزی پڑھے گا "اجر" پائے گا اور دنیا کے لیے صرف زبان سیکھنے یا حساب اقلیدس، جغرافیہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ ہمہ تن اس میں مصروف ہو کر اپنے دین و علم سے غافل نہ ہو جائے۔"

(۲۰) نصاب اور ذریعہ تعلیم:۔

سید محمد جلال الدین قادری (۱۹۸۳ء) لکھتے ہیں کہ:

امام احمد رضا قدس سرہ کا اس بارے میں نظریہ یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم ہر شخص کو اس کی اپنی مادری یا علاقائی زبان میں دی جائے اعلیٰ تعلیم کے لیے مشکل یا غیر ملکی زبان استعمال کی جاسکتی ہے۔ اس نظریہ پر آپ کا پورا فتاویٰ شاہد عادل ہے۔ جس شخص نے جس زبان میں استفتاء پیش کیا اسی زبان میں اس کا

جواب دیا۔"

اعلحضرت امام احمد رضا نے اردو استفتاء کا جواب اردو میں فارسی استفتاء کا جواب فارسی میں عربی استفتاء کا جواب عربی میں حتی کہ انگریزی میں آئے ہوئے استفتاء کا جواب انگریزی میں 'نثر میں کی صورت میں لکھے گئے استفتاء کا جواب نثر میں نظم کی صورت میں بھجوائے گئے استفتاء کا جواب نظم میں اور زبان و بیان کی مہارت امام احمد رضا کے نزدیک خصوصی اہمیت کی حامل ہے وہ خود اظہار تشکر کے طور پر فرماتے ہیں:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

(۲۱) نصاب میں تصوف کی شمولیت:۔

امام احمد رضا خاں فرماتے ہیں:

"تمام فنون کی طرح تصوف بھی ایک عمدہ فن ہے۔ جس سے تزکیۂ نفس اور تطہیرِ باطن ہوتی ہے۔ علم وعمل کی دنیا میں تصوف ایک کسوٹی ہے۔ جس پر ہر کس و ناکس کا پورا اترنا بہت دشوار ہے۔ اس میدان میں قدم رکھ کر وہی شخص باہر نکلا ہے۔ جس کے ساتھ تائید غیبی پشت پناہی میں لگی رہی۔

علم تصوف اور عمل تصوف دو الگ الگ دھارے ہیں۔ علم وعمل جب دونوں کا اجتماع ہوتا ہے تب صوفی کامل ہوتا ہے ورنہ بغیر علم کے صرف عمل تصوف زندقہ و گمراہی ہو جاتا ہے اور عمل کے بغیر صرف علم خالی ملکہ کے مشابہ ہے۔ جس میں کچھ بھی نہیں۔ ایسے لوگوں کو صوفی نہیں متصوف کہا جاتا ہے۔

(۲۲) مخلوط تعلیم اور مخلوط تعلیمی اداروں کی معاونت کی ممانعت:۔

امام احمد رضا خاں (۱۳۴۰ھ) مخلوط تعلیم اور مخلوط تعلیمی مدرسہ کی سرگرمیوں کے متعلق استفتاء کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لڑکیوں کا غیر مردوں کے سامنے خوش الحانی سے نظم پڑھنا حرام ہے اور اجنبی لڑکوں کے سامنے بے پردہ رہنا بھی حرام ہے...... ایسے مدرسہ کو مدد دینی شیطان کو اس مقاصد میں مدد دینی ہے اور جو اپنی لڑکیوں کو اس جگہ بھیجتے ہیں بے حیا بے غیرت ہیں ان پر اطلاق دیوث ہو سکتا ہے۔ نو برس کی عمر کی لڑکی مشتہاۃ ہوتی ہے۔"

(۲۳) خالص اسلامی اداروں کے لیے گورنمنٹ کی امداد:۔

امام احمد رضا خان (۱۳۳۹ھ) فرماتے ہیں:

"جو مدارس ہر طرح سے خالص اسلامی ہوں ایسے مدارس کے لیے اگر گورنمنٹ اپنے پاس سے امداد کرے بلاشبہ اس کا لینا جائز ہے اور اس کا قطع کرنا حماقت جبکہ اس کے قطع سے مدرسہ نہ چلے کہ اب یہ سد باب خیر تھا اور مناع للخیر پر وعید شدید وارد ہے نہ کہ جب وہ امداد بھی رعایا ہی کے مال سے ہو۔

اب دوہری حماقت بلکہ دونا ظلم ہے کہ اپنے مال سے اپنے دین کو نفع پہنچانا بند کیا اور جب وہ

مدارس اسلامیہ میں نہ لیا گیا گورنمنٹ اپنے قانون کے مطابق اسے دوسرے مدارس غیر اسلامیہ میں دیگی تو حاصل یہ ہوا کہ ہمارا مال ہمارے دین کی اشاعت میں صرف نہ ہو بلکہ اور کسی دینِ باطل کی تائید میں خرچ ہو کیا کوئی مسلم عاقل اسے گوارہ کر سکتا ہے۔"

(۲۴) مدارس میں جمعہ کی چھٹی کا تصور:۔

مدارس میں جمعہ کی چھٹی کے متعلق امام احمد رضا خان (۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں:

"جمعہ کی چھٹی ہمیشہ معمول علمائے اسلام ہے اور اسی قدر اس کی سند کے لیے کافی۔ایسی جگہ بلخصوص آیت یا حدیث ہونا ضرور نہیں اور آیت وحدیث سے یوں نکال بھی سکتے ہیں کہ حدیث صحیح میں جمعہ کی پہلی ساعت سے جمعہ کی طرف لے جانے کی ترغیب فرمائی تو صبح سے فراغ جمعہ تک تو وقتِ اہتمام و انتظار جمعہ میں گزرا۔پڑھنے کا کیا وقت ہے؟ اگر کہیے مسجد میں جا کر پڑھے تو قبلِ جمعہ حلقہ سے ممانعت فرمائی بعد نماز فرمایا گیا فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغو من فضلِ اللّٰہ جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ یہاں بھی تجارت وکسبِ حلال کا ذکر فرمایا نہ تعلیم علم کا تو معلوم ہوا کہ وہ دن چھٹی کا ہے۔

خلاصہ کلام:۔

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تعلیمات وتحقیقات موجودہ نظامِ تعلیم میں عود کر آنے والی بہت سی قباحتوں کی اصلاح اور محرومیوں کی تلافی کے لیے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

آج ہم علم تو حاصل کر رہے ہیں مگر ہمیں معرفت میسر نہیں۔ معلم ومربی کو استحقاق میسر نہیں۔ معلم کے انتخاب کے لیے ذاتی رجحانات کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ بعض معلمین اپنے اس مقدس ترین پیشہ پر فائز ہو چکنے کے بعد بھی آپس میں بعض تفرقات اور اختلافات میں الجھ کر تعلیمی اداروں کی فضا خراب کرنے سے بعض نہیں آتے۔ حکومت بھی اساتذہ کرام سے حقوق وفرائض کی آگہی وتکمیل کے لیے بھر پور توقعات رکھتی ہے مگر اساتذہ کرام جیسے سفید پوش اور مربی طبقہ کی مراعات وسہولیات سے یکسر پہلو تہی کی گئی ہے۔ حرمتِ تعلیم کا فقدان ہے۔ جہاں استاد کے احترام اور وقار میں کمی ہوئی ہے وہاں کتب کی تعظیم وتکریم کا شعور بھی مٹتا نظر آتا ہے۔ سندِ علم کی ضرورت باقی نہیں رہی جیسے گلی گلی بغیر پڑھے لکھے، پیشہ وارانہ تربیت حاصل کیے حکیم، ڈاکٹر نظر آ رہے ہیں۔ اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ

Every one who is incapable of teaching has taken to teaching.

نصاب میں ملی ونظریاتی تشخص کی بنیادیں دکھاوے کی حد تک قائم ہیں۔ تربیت کا عنصر توجہ طلب ہے۔ اسلامی نظریاتی مملکتوں میں مخلوط تعلیم کو عار نہیں سمجھا جارہا۔ ملکی نصاب کی تیاری میں غیر ملکی ہاتھ کار فرما ہو جاتے ہیں۔

امام احمد رضا خان نے مذکورہ بالا تمام خرابیوں کے خلاف بھر پور آواز اُٹھائی ہے اور ان کی فوری اصلاح پر زور دیا ہے۔ آپ نے مقصودِ علم کی وضاحت فرمائی ہے۔ عالم کے لقب کا استحقاق بیان کیا ہے۔

عوام الناس کو استاد و معلم کے حقوق کا احساس دلایا ہے۔ استاد کے انکار کو کفرانِ نعمت اور موجب سزا و عقوبت قرار دیا ہے۔ استاد کے لیے، اعزاز و امتیاز کو روا رکھا ہے۔ جہاں آپ استاد کے لیے اعزاز و امتیاز اور سہولیات و مراعات کی بات کرتے ہیں وہاں آپ نے فتنہ پرداز مقررین و واعظین کی خوب خبر لی ہے۔

استاد کی تعظیم و تکریم کے ساتھ ساتھ آپ علمی کتب کی توقیر کا بھی درس دیتے ہیں۔ بوسیدہ کتب کو جلانے کی بجائے آپ نے پاک کپڑے میں دفن کرنے کا حکم دیا ہے۔ دینی کتب کی تحقیر کو آپ نے کتب فقہ کی روشنی میں کفر لکھا ہے۔ عبارتِ کتب میں اپنی طرف سے اضافہ کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ ایسی خصلتیں یہود کی تھیں۔

نصاب میں تربیتی عنصر کی ضرورت کے پیش نظر آپ نے نصاب میں "تصوف" کی شمولیت پر زور دیا ہے۔ تصوف کی وضاحت میں آپ لکھتے ہیں کہ علم و عمل دونوں کے اجتماع سے تصوف کی تشکیل ہوتی ہے۔ بغیر علم کے صرف عملی تصوف زندقہ و گمراہی ہے۔

آپ علمی وسعت اور فروغِ علم کے قائل ہیں۔ عقائدِ باطلہ سے پاک ہر قسم کے علم کو مسلمانوں کے لیے رَوا قرار دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ علم خواہ کسی بھی زبان میں ہو نفسِ زبان کا سیکھنا کوئی حرج نہیں بلکہ آپ انگریزی زبان کی تدریس کے حوالہ سے فتاویٰ رضویہ جلد دہم میں (۱۳۱۳ھ) میں فتویٰ دیتے ہیں کہ حسن نیت سے سیکھی گئی انگریزی زبان کی تدریس موجب اجر بن جاتی ہے۔ ذی علم مسلمان اگر بہ نیتِ ردِّ نصاریٰ انگریزی پڑھے گا تو اجر پائے گا۔ آپ تمام علوم کو دین فہمی اور اشاعت دین کے لیے استعمال کرنے کی بھرپور تاکید کرتے ہیں۔ آپ مثال دیتے ہیں کہ طبعیات وارضیات سے پانی اور مٹی کی ماہیت و کیفیت اور احوال معلوم کیے جائیں تاکہ بدن، لباس، جائے سجدہ کی طہارت کے مسائل فقہیہ معلوم ہوسکیں۔ علم ریاضی سے میراث کے مسائل معلوم کیے جائیں۔ علومِ ہندسہ کے ذریعے سمتِ قبلہ کا تعین کیا جائے۔

آپ تحصیلِ علم سے سکون و وقار اور مہابت و محبت کا سماں چاہتے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ بچوں کے لیے کھیل اور اوقاتِ فرصت کا بھی ذکر کرتے ہیں تاکہ طبیعت پر کیفیت و نشاط باقی رہے۔ طلباء کے لیے عملی جہاد سپہ گری کی تربیت کو آپ تعلیم کا اہم جز سمجھتے ہیں۔ تعلیم نسواں کے لیے آپ والدین کو نصیحت کرتے ہیں کہ دختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوایا جائے۔

مدارس میں جمعہ کی چھٹی کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جمعہ کی پہلی ساعت سے جمعہ کی طرف جانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ صبح سے فراغ جمعہ تک تو وقتِ اہتمام و انتظار جمعہ میں گزرتا ہے۔ جمعہ سے قبل مسجد میں حلقہ کی بھی ممانعت ہے۔ اور بعد جمعہ بھی تجارت و کسب حلال کا حکم ہے نہ تعلیم علم کا۔

(بشکریہ : ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور۔ شمارہ اگست ۲۰۰۱ء)

یکے از مقرظینِ انوار ساطعة

مولانا رحمت اللہ کیرانوی

از: سید علیم اشرف جائسی

شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

مولانا رحمت اللہ کیرانوی [۱] (۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء۔ ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۱ء) کا سلسلۂ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ ایک عثمانی بزرگ گاذرون سے ہجرت کرکے پانی پت آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ جن کی اولاد میں خواجہ مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء (۶۳۵ھ۔ ۷۵۲ھ) ایک نامور شخصیت گزری ہے، حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت اگرچہ بوعلی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہوئی تھی لیکن انہیں کے اشارے پر آپ خواجہ شمس الدین ترک [۲] سے بیعت ہوئے تھے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی انہیں بزرگ کی چودھویں پشت میں آتے ہیں۔

۱۲ر سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا۔ ابتدائی درسی کتابیں خاندان کے بزرگوں سے پڑھیں پھر دہلی آگئے اور شیخ محمد حیات [۳] کے مدرسے میں داخل ہوگئے۔ جہاں متوسطات اور اعلیٰ علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی۔ یہ مدرسہ شاہ سید صابر علی معروف بہ "صابر بخش" کی خانقاہ میں قائم تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے مفتی سعد اللہ مرادآبادی [۴]، امام بخش صہبائی، مولانا عبدالرحمان چشتی اور شاہ عبدالغنی وغیرہ سے بھی اکتساب فیض کیا، اور حکیم فیض محمد سے طبابت سیکھی۔ [۵]

۱۸۳۵ء میں ان کے والد شیخ خلیل الرحمان دہلی میں مہاراجہ ہندو راؤ کے یہاں پر منشی مقرر ہوئے تو وہ بھی اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے، اور رات میں مہاراجہ کو اکبر نامہ سناتے تھے۔ بعد میں مہاراجہ نے انہیں بھی خطوط نویسی کے شعبے سے منسلک کردیا۔ کچھ عرصے بعد یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔ دوبارہ ۱۸۴۲ء میں مہاراجہ کے یہاں بحیثیت میر منشی کے تقرری ہوئی، لیکن اس بار بھی یہ سلسلہ دراز نہ ہوا چنانچہ آپ دہلی سے کیرانہ واپس آگئے، اور وہیں ایک مسجد میں درس و افادہ میں مشغول ہوگئے۔ آپ کی علمی فضیلت اور درسی صلاحیت کا چرچہ دور دور تک پھیل گیا، اور ملک بھر سے تشنگان علم یہاں آکر اپنی پیاس بجھانے لگے۔ ان کے بعض اہم شاگردوں میں مولانا عبدالسمیع بیدل رامپوری، مولانا شاہ ابوالخیر عبدالوہاب ویلوری اور نور محمد امرتسری کے علاوہ متعدد کیرانوی مشاہیر شامل ہیں۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے جس دور میں آنکھیں کھولیں، مسلمانوں کے لیے وہ بڑا رستاخیز دور تھا۔ نہ صرف برصغیر بلکہ پورا عالمِ اسلام نوآبادیت کے پنجوں میں جکڑا ہوا تھا۔ ہندوستان کی مغلیہ حکومت آل تیمور کی ذلت و رسوائی کی علامت بن کر رہ گئی تھی۔ مغربی عفریت مسلمانوں سے دنیوی عزت و

اقتدار سلب کرنے کے بعد ان کی متاعِ ایمان وعقیدہ پر بھی گھات لگائے بیٹھا تھا۔ ہندوستان میں عیسائی مشنریز کی سرگرمیوں کی بنیاد اگرچہ اکبر کے الحادی دور میں ہی پڑ چکی تھی، اور جہانگیر اور شاہجہاں کی نام نہاد عدل گستری اور امن پروری سے انہیں خوب فروغ بھی حاصل ہوا تھا۔ لیکن انیسویں صدی سے پہلے تبشیری (تبلیغ عیسائیت کا) عمل زیادہ تر خفیہ طور پر انجام پاتا رہا بالخصوص وسطی اور شمالی ہندوستان میں، لیکن پلاسی کی جنگ (۱۷۵۷ء) کے بعد عیسائی مشنریز کھل کر سامنے آ گئیں، اور جدل ومناظرہ کے ساتھ ساتھ تشکیک، اغراء اور اکراہ وغیرہ جیسے معروف تبشیری وسائل کا برملا استعمال کرنے لگیں۔ ہندوستان کی تبشیر ایسٹ انڈیا کمپنی کے بنیادی مقاصد کا حصہ تھی۔ بسا اوقات کمپنی کے ملازمین خود تبشیری مہمات میں حصہ لیتے تھے۔ کمپنی کے ڈائرکٹرز بورڈ کے صدر مسٹر مینگلو نے ۱۸۵۷ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ: "قدرت نے ہندوستان کی وسیع سلطنت انگلینڈ کو تفویض کی ہے تاکہ مسیح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک فاتحانہ لہرائے، ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی قوت صرف کردے تاکہ تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کا کام جاری رکھنے میں کسی وجہ سے کوئی رکاوٹ نہ ہو سکے۔"......۳

۱۸۳۷ء کے قحط میں یتیم اور بے سہارا ہونے والے بچوں کو عیسائی مشنریز کے حوالے کردیا گیا تھا، اگر کوئی مسلمان یا ہندو اپنے ہم مذہب بچوں کی پرورش کرنا چاہتا تھا تو اسے اس کی اجازت نہیں تھی۔ ......۴ یہی سلوک ملک کے تمام لاوارث بچوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ سید احمد خاں بھی ایسے ہی کچھ بچوں کی پرورش کر رہے تھے لیکن انہیں مجبوراً ان بچوں کو انگریز حکام کے سپرد کرنا پڑا۔

یہ ہوش ربا حالات تھے جن میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے ہوش سنبھالا، دریں اثنا جرمن نژاد پادری سی۔ جی۔ فنڈر نے ہندوستان آکر مشنریز کی سرگرمیوں کو دو آتشہ کر دیا۔ اس نے آگرہ کو اپنا مستقر بنایا۔ اور وہیں سے اپنی کتاب "میزان الحق" کا اردو ترجمہ شائع کرایا۔ یہ کتاب نہ صرف انتہائی جارحانہ تھی بلکہ اسلامی مقدسات کی تنقیص وتوہین سے پُر تھی۔......۵

اس کتاب کا پہلا جواب مولانا آل حسن موہانی (متوفی ۱۸۷۲ء) نے "استفسار" کے عنوان سے دیا۔ مولانا آل حسن، مولانا حسرت موہانی کے پڑنانا تھے۔ لیکن فنڈر کی قیادت میں عیسائی مبلغین کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی گئیں، انہیں حکومت کا مکمل تعاون حاصل تھا۔ ممالکِ متحدہ آگرہ اور اودھ کا لیفٹیننٹ گورنر ولیم میور، پادری فنڈر کا ذاتی دوست تھا۔ میور کی کتاب "لائف آف محمد" پر فنڈر کی کتابوں بالخصوص میزان الحق کے گہرے اثرات ملتے ہیں، بلکہ بعض مصادر کی رو سے میور نے یہ کتاب فنڈر کے مشورے پر ہی لکھی تھی۔......۶

اس صورتِ حال سے اسلامیانِ ہند میں شدید تشویش وبے چینی تھی۔ مسلم قیادت بھی سخت اضطراب میں تھی۔ ان چیرہ دستیوں کا جواب دینے کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو جرأت و

شہامت سے بھی متصف ہو اور علم ولیاقت سے بھی، جو نہ صرف علوم اسلامیہ پر پوری قدرت رکھتا ہو بلکہ عیسائی مذہبی علوم سے بھی کما حقہ واقف ہو...... اور دستِ قدرت نے اس کارِ گرانبار کے لیے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا انتخاب کیا۔ مولانا نے عیسائیت بالخصوص ہندوستانی مشنریز کی تصنیفات کے رد و ابطال میں متعدد رسالے اور کتابیں لکھیں۔ اہلِ علم نے تو ان کتابوں اور رسالوں کی اشاعت سے اطمینان و راحت کی سانس لی لیکن عوامی اضطراب کا مداوا ان کے ذریعے خاطر خواہ نہ ہوسکا اور ایسا ممکن بھی نہ تھا۔ چنانچہ علامۃ المسلمین کے ذہنوں سے عیسائی مشنریز کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے فنڈر کو براہ راست مناظرے کی دعوت دے ڈالی۔

یہ عظیم الشان تاریخی مناظرہ ۱۰، ۱۱ اپریل ۱۸۵۴ء، بروز پیر و منگل، محلہ عبدالمسیح آگرہ میں ہزارہا افراد کی موجودگی میں ہوا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے علاوہ بڑے پیمانے پر ہندو رؤسا اور عمائدین نے بھی اس میں شرکت کی۔ اس مناظرے کے بنیادی موضوعات تھے۔ ۱۔ نسخ بائبل، ۲۔ تحریف بائبل، ۳۔ تثلیث اور الوہیتِ مسیح، ۴۔ اور اثباتِ نبوتِ محمدی۔......۱۰

مناظرے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو واضح برتری حاصل ہوئی۔ یہ فتح اللہ تعالیٰ کی زبردست تائید و نصرت اور مولانا کی فضیلت، ذہانت، جرأت اور بے مثال حافظے کی دلیل تھی۔ اس کامیابی نے اس وقت کے پورے منظر نامے کو بدل دیا۔ پیہم شکست و ہزیمت کے درمیان یہ فکری فتح مسلمانوں کے لیے مژدۂ جانفزا بن گئی، نہ صرف باطل کا پندار ٹوٹا بلکہ عام مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان کو استحکام بھی ملا، اور انہیں یہ یقین ہوا کہ برطانوی استعمار کی مادّی کامیابیاں صرف اور صرف ہماری اپنی بد عملی اور کجروی کا شاخسانہ ہے۔ بلاشبہ یہ مناظرہ انیسویں صدی کے نصف اوّل میں اسلامیانِ برصغیر کے لیے سب سے مہتم بالشان واقعہ تھا۔

اس مناظرے کے بعد بھی عیسائیت کے خلاف مولانا کا قلمی جہاد جاری و ساری رہا اور ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں عملاً حصّہ لیا جس کے نتیجے میں آپ کے خلاف وارنٹ نکلا اور تمام جائداد بحق سرکار ضبط کر لی گئی۔ چنانچہ آپ خفیہ طور پر ہجرت کر کے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ جہاں انہوں نے شیخ زینی دحلان سے ملاقات کی اور انہیں ہندوستانی انقلاب، عیسائی مشنریز کی سرگرمیوں اور ان کے رد و ابطال میں اپنی اور دوسرے علما کی کوششوں سے آگاہ کیا۔ شیخ اُن سے بے حد متاثر ہوئے اور انہیں حرم میں تدریس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ علاوہ ازیں شیخ نے ان سے احوالِ مناظرہ کو عربی زبان میں مرتب کرنے کی فرمائش بھی کی۔ مکہ مکرمہ میں آپ نے کلکتہ کی ایک مخیّر خاتون صولت النساء بیگم کے مالی تعاون سے مدرسہ صولتیہ بھی قائم کیا۔ اس مدرسے کا افتتاح ۱۲ رشعبان ۱۲۹۱ھ میں ہوا۔......۱۱

دریں اثنا پادری فنڈر ترکی پہنچ گیا۔ دوسری طرف گورنر مکہ کے توسط سے مولانا رحمت اللہ اور مناظرۂ آگرہ کا چرچا بھی بابِ عالی تک پہنچ چکا تھا۔ سلطان......۱۲ نے مولانا کو ترکی آنے کی دعوت دی،

مولانا کی آمد کو سن کر فنڈر ترکی سے فرار ہوگیا۔ باب عالی میں مولانا کی زبردست پذیرائی ہوئی اور آپ کو تحفۂ مجیدیہ سے سرفراز کیا گیا۔ سلطان نے بھی مولانا سے مناظرۂ آگرہ پر مشتمل کتاب لکھنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں ہی ۱۸۶۳ء میں آپ نے اپنی مایۂ ناز کتاب "اظہار الحق" کو مکمل کیا۔

مقدمہ میں کتاب کی تصنیف کا باعث شیخ زینی دحلان کی فرمائش وحکم کو قرار دیا......[۱۳] تو صدر اعظم فیروز الدین پاشا نے کہا کہ کتاب تو "امیر المومنین" کی خواہش پر لکھی گئی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ: ایک تو شیخ کی خواہش سابق تھی اور دوسرے یہ کہ اس خالص مذہبی خدمت میں کسی دنیوی غرض کا کوئی شائبہ بھی آئے، یہ مجھے گوارہ نہیں ہے۔

یہ بات بلا تردّد کہی جاسکتی ہے کہ عالمِ عرب میں، سید مرتضیٰ بلگرامی کی تاج العروس سے قطع نظر، برصغیر کے کسی عالم کی کوئی تصنیف اتنی مقبول ومشہور نہیں ہوئی جیسی قبولیت وشہرت "اظہار الحق" کے حصے میں آئی ہے۔ اب تک کتاب کے دس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مصور طباعتوں کا شمار نہیں ہوسکتا ہے۔ دس باضابطہ ایڈیشنز میں چھ ایڈیشنز غیر محقق ہیں جو علی الترتیب: استنبول: مطبعہ عامرہ سلطانیہ، ۱۸۶۷ء۔ قاہرہ: مطبعۃ الحجر القاخرہ، ۱۸۷۷ء۔ قاہرہ: دارالطباعۃ العامرہ، ۱۸۷۸ء درب الدلیل۔ مصر: المطبعۃ الخیریہ، ۱۸۹۲ء۔ قاہرہ: المطبعۃ العلمیہ، ۱۸۹۸ء اور قاہرہ: المطبعۃ الحمودیہ، ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئے ہیں۔

ساتواں ایڈیشن عمر الدسوقی کی تحقیق کے ساتھ دار بیضاء (کاسابلانکا، مراکش) سے شائع ہوا ہے جس میں تاریخ اشاعت درج نہیں ہے۔ آٹھواں ایڈیشن محمد کمال فرج کی تحقیق کے ساتھ قاہرہ سے ۱۹۷۸ء میں، نواں ایڈیشن، احمد حجازی السقا کی تحقیق کے ساتھ قاہرہ سے ۱۹۷۸ء اور ۱۹۸۶ء میں، اور ریاض سے ۱۹۹۴ء میں، اور دسواں ایڈیشن محمد احمد الملکاوی کی تحقیق کے ساتھ ریاض سے ۱۹۸۹ء اور ۱۹۹۲ میں شائع ہوئے ہیں۔ کتاب کے اردو، گجراتی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، پرتگیزی اور جرمنی ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔......[۱۴]

اظہار الحق کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب و رسائل آپ کے قلمی جہاد کے شاہد عدل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱- البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف (مطبوعہ)
۲- احسن الحدیث فی ابطال التثلیث (مطبوعہ)
۳- التنبیہات فی اثبات الاحتیاج الی البعثۃ والحشر (مطبوعہ)
۴- البروق اللامعہ۔ نبوت محمدی کے اثبات میں دلائل (غیر مطبوعہ)
۵- تقلیب المطاعن، پادری اسمتھ کی کتاب "تحقیق الدین الحق" مطبوعہ ۱۸۴۶ء کا جواب (غیر مطبوعہ)
۶- معیار التحقیق۔ یہ پادری صفدر کی کتاب "تحقیق الایمان" کا رد ہے (غیر مطبوعہ)

۷- رسالہ فی الحشر (غیر مطبوعہ)

۸- رسالہ فی وقت صلاۃ العصر (غیر مطبوعہ)

۹- رسالہ فی ترک رفع الیدین فی الصلاۃ (غیر مطبوعہ)

۱۰- معدل اعوجاج المیزان۔ فنڈر کی کتاب میزان الاعتدال کی تردید میں مولانا آل حسن موہانی نے استفسار کے عنوان سے ایک کتاب تحریر فرمائی۔ فنڈر نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں "استفسار" کے رد و ابطال کا جواب دینے کی کوشش کی، مولانا کی مذکورہ کتاب میں اسی کوششِ لاحاصل کا بیان ہے۔ (غیر مطبوعہ)

ان مطبوعہ اور غیر مطبوعہ رسائل کے ساتھ ساتھ آپ نے کئی مستقل اور ضخیم کتابیں بھی تصنیف کی ہیں اور بعض ترجمے بھی کئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- ازالۃ الاوھام (فارسی) ۵۶۴ صفحے کی اس کتاب میں عیسائی اعتراضات کا جواب ہے۔ دہلی سے ۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی ہے حاشیے پر "استفسار" چھپا ہے۔

۲- اعجاز عیسوی، (اردو) ۶۰۰ صفحے کی یہ کتاب آگرہ سے ۱۸۵۳ء میں شائع ہوئی جو عہد عتیق و جدید میں تحریف کے موضوع پر ہے۔

۳- ازالۃ الشکوک (اردو) دو جلدوں پر مشتمل ۱۱۰۰ صفحے کی یہ کتاب ولی عہد سلطنت مغلیہ مرزا فخر الدین کی خواہش پر تحریر کی تھی یہ کتاب ۱۳۲۶ھ میں مدراس سے شائع ہوئی۔

۴- ترجمہ آداب المریدین از شیخ ضیاء الدین سہروردی بغدادی متوفی ۵۶۳ھ، یہ ترجمہ ۱۲۸۵ھ میں شائع ہوا۔ مصنف امام غزالی کے مرید اور نظامیہ کے استاد تھے۔ یہ کتاب اہلِ تصوف کے یہاں بے حد مقبول ہے۔ خواجہ گیسو دراز اور مخدوم منیری نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔

۵- ترجمہ تحفۃ الاثناء عشریۃ۔ (غیر مطبوعہ) ......[15]

ان کتب و رسائل کے علاوہ آپ کی دو اہم تحریریں اور ملتی ہیں۔ اور یہ دونوں تقریظ کی صورت میں ہیں۔ ایک تقریظ مولانا عبدالسمیع بیدل رامپوری کی کتاب "انوار ساطعہ در بیانِ مولود و فاتحہ" پر ہے۔ اور دوسری تقریظ مولانا غلام دستگیر قصوری متوفی ۱۳۱۵ھ کی کتاب "تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل" پر ہے۔

انوار ساطعہ کی تصنیف کا سبب: جیسا کہ خود اس کے مقدمے میں مذکور ہے ......[16]۔

۱۳۰۲ھ میں میرٹھ کے مطبع ہاشمی سے شائع ہونے والے دو فتاوے ہیں جن میں میلاد، عرس اور فاتحہ وغیرہ کی مذمت و نکیر تھی۔ ان فتاووں پر دہلی کے کچھ غیر مقلد علما اور بعض علمائے دیوبند و گنگوہ و سہانپور کے دستخط تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالسمیع صاحب نے انوار ساطعہ کے نام سے ان فتووں کا رد تحریر کیا، جس کے جواب میں مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے ۱۳۰۶ھ میں "براہینِ قاطعہ" کے نام سے ایک کتاب شائع کرائی۔ اس کتاب نے ایک نئے کلامی گروہ کی بنا ڈالدی، اور جمہور و جماعت سے منحرف انفرادی آراء و افکار کو ایک

پلیٹ فارم مہیا کیا، جو ہر دور و دیار میں پائے جاتے تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالسمیع نے انوار ساطعہ کا نیا ایڈیشن شائع کرایا جس میں انہوں نے ان چند اوراقی فتوؤں کے ساتھ ساتھ براہین قاطعہ کو بھی اپنے رد و ابطال کا ہدف بنایا، علاوہ ازیں اپنے موقف کی تائید و توثیق میں علمائے برصغیر اور حرمین شریفین کی متعدد تقریظات بھی کتاب کی آخری فصل میں جمع کردیں۔ انہیں میں مولانا رحمت اللہ صاحب کی تقریظ بھی شامل ہے جس سے یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ مولانا کیرانوی، اہل سنت و جماعت اور شمال مغربی اتر پردیش کے اس نوزائیدہ فکری و کلامی گروہ کے درمیان جملہ اصولی و فروعی نزاعات میں، جمہور و جماعت کے ساتھ تھے۔ اگر چہ آج مولانا کی عالمگیر شہرت سے فائدہ اٹھانے میں اسی گروہ کے متبعین پیش پیش ہیں۔ تقریظ کا متن حسب ذیل ہے بعض عبارتوں اور جملوں کو خوف طوالت سے حذف کردیا گیا ہے۔

''اس رسالے کو میں نے اوّل سے آخر تک اچھی طرح سنا اسلوب عجیب اور طرز غریب بہت ہی پسند آیا، اگر اس کے وصف میں کچھ لکھوں تو لوگ اسے مبالغہ پر حمل کریں گے اس لیے اسے چھوڑ کر دعا پر اکتفا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس کے مصنف کو اجر جمیل اور ثواب جزیل عطا فرماوے اور اس رسالہ سے منکروں کے تعصب بے جا کو توڑ کے ان کو راہ راست پر لاوے.....

میرے اساتذۂ کرام اور میرا عقیدہ مولد شریف کے باب میں قدیم سے یہی تھا اور یہی ہے.....

میں مسلمان بھائیوں کو بطور نصیحت کے کہتا ہوں کہ ایسی مجلس کرنے سے نہ رکیں اور اقوال بیجا منکروں کی طرف جو تعصب سے کہتے ہیں ہرگز نہ التفات کریں۔ اور تعین یوم میں اگر یہ عقیدہ نہ ہو کہ اس دن کے سوا اور دن جائز نہیں تو کچھ بھی حرج نہیں، اور جواز اس کا بخوبی ثابت ہے اور قیام وقتِ ذکر میلاد کہ چھ سو برس سے جمہور علما صالحین نے، متکلمین اور صافیہ اور علما محدثین نے جائز رکھا ہے، اور صاحب رسالہ نے اچھی طرح ان امور کو ظاہر کیا ہے اور تعجب ہے ان منکروں سے ایسے بڑھے کہ فاکہانی مغربی کے مقلد ہو کر جمہور سلف صالح کو متکلمین اور محدثین اور صوفیہ سے ایک ہی لڑی میں پرو دیا۔ اور ان کو ضال اور مضل بتلایا اور خدا سے نہ ڈرے کہ اس میں ان لوگوں کے استاد اور پیر بھی تھے۔ مثل حضرت شاہ عبدالرحیم اور ان کے صاحبزادے، شاہ ولی اللہ دہلوی، اور ان کے صاحبزادے، شاہ رفیع الدین دہلوی اور ان کے بھائی شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے نواسے حضرت مولانا محمد اسحٰق دہلوی قدس اللہ اسرارہم سب کے سب انہیں ضال و مضل میں داخل ہوئے جاتے ہیں..... اور وہ جو بعضے میری طرف نسبت کرتے ہیں کہ عرب کے خوف سے تقیہ کے طور پر سکوت کرتا ہوں اور ظاہر نہیں کرتا ہوں بالکل جھوٹ ہے..... بلکہ اگر میں تقیہ کرتا تو ان حضرات منکرین کے خوف سے تقیہ کرتا، مجھے یقین ہے کہ جب ان کے ہاتھ سے امام سبکی اور جلال الدین سیوطی اور ابن حجر اور ہزار ہا علما تقویٰ شعار خاصکر ان کے استادوں اور پیروں میں شاہ ولی اللہ وغیرہ قدس اللہ اسرارہم نہ چھوٹے تو میں غریب نہ ان کے سلسلہ استادوں میں شامل ہوں اور نہ سلسلہ پیروں میں کس طرح چھوٹوں گا یہ تو ہر طرح سے تفسیق اور

بلکہ تکفیر میں قصور نہ کریں گے پر میں ان کی ان حرکات سے نہیں ڈرتا۔ اور جو میرے ان اقوال کی تائید اور سند مؤلف رسالہ نے جابجا تحریر فرمائی ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں، واللہ اعلم وعلمہ اتم فقط امر بر قمہ وقال بضمہ الراجی رحمۃ ربہ المنان محمد رحمت اللہ بن خلیل الرحمان غفرلهما اللہ المنان"...... [۱۷]

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی دوسری تقریظ مولانا غلام دستگیر ہاشمی نقشبندی قصوری کی کتاب، "تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل" کی زینت ہے۔ تقدیس الوکیل مناظرہ بہاولپور کی روداد ہے جو مؤلف اور مولوی خلیل احمد کے درمیان ہوا۔ مؤخر الذکر ریاست میں ملازم تھے۔ اس مناظرے کے حکم والیٔ بہاولپور ہزایکسی لینسی سر محمد صادق عباسی کے پیر و مرشد خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف تھے۔ مناظرے میں خلیل احمد صاحب کو شکست فاش ہوئی اور انہیں بد اعتقادی کے الزام میں ریاست بدر کر دیا گیا۔ یہ تاریخی مناظرہ شوال ۱۳۰۶ھ میں منعقد ہوا۔ بعد میں مولانا قصوری نے اسے کتابی شکل میں کر کے تقدیس الوکیل کے نام سے شائع کیا اور جب ۱۳۰۷ھ میں وہ عازم بیت اللہ ہوئے تو وہاں کے علما و مشائخ سے اس پر تقریظات لکھوائیں۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی تقریظات بھی ان میں شامل ہیں...... [۱۸] یہ تقریظ بھی اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے انوار ساطعہ پر ان کی تقریظ کا امتداد ہے۔ اس کے بعض اہم اجزاء حسب ذیل ہیں۔

"بعد حمد اور نعت کے کہتا ہے، راجی رحمت ربہ المنان رحمت اللہ بن خلیل الرحمان غفرلهما الحنان کہ مدت سے بعض باتیں جناب مولوی رشید احمد صاحب کی سنتا تھا، جو میرے نزدیک اچھی نہ تھیں، اعتبار نہ کرتا تھا کہ انہوں نے کہا ہوگا اور مولوی عبدالسمیع صاحب کو، جو ان کو میرے سے رابطہ شاگردی کا ہے، جب تک مکہ معظمہ نہیں آئے تھے تحریراً منع کرتا تھا کہ آپس میں مختلف نہ ہوں اور علمائے مدرسہ دیوبند کو اپنا بڑا سمجھو، پر وہ مسکیں کہاں تک صبر کرتا اور میرا اعتبار نہ کرنا کس طرح ممتد رہتا کہ حضرات علمائے مدرسہ دیوبند کی تحریر اور تقریر بطریق تواتر مجھ تک پہونچی کہ تمام افسوس سے کچھ کہنا پڑا، اور چپ رہنا خلاف دیانت سمجھا گیا سو کہتا ہوں کہ، میں جناب مولوی رشید کو رشید سمجھتا تھا، مگر میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے........

پھر حضرت مولوی رشید احمد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی شہادت کے بیان کو بڑی شدت سے محرم کے دنوں میں گو کیسا ہی روایت صحیح سے ہو منع فرمایا، اور حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے جناب مولانا اسحاق مرحوم تک عادت تھی کہ عاشورے کے دن بادشاہ دہلی کے پاس جا کر روایت صحیح سے بیان حال شہادت کرتے تھے......

پھر حضرت رشید نے جو نواسے کی طرف توجہ کی تھی، اس پر بھی اکتفا نہ کر کے خود ذات نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ اخوانہ وآلہ واصحابہ وسلم کی طرف توجہ کی، پہلے مولود کو کنھیا کا جنم اشٹمی ٹھہرایا اور اس

کے بیان کو حرام بتلایا اور کھڑے ہونے کو گو کوئی کیسے ذوق وشوق میں ہو بڑا منکر فرمایا۔ اور اس ٹھہرانے بتلانے اور فرمانے سے لکھو کھہا علما صالحین اور مشائخ مقبول رب العالمین ان کے نزدیک بُرے نفرتی ٹھہر گئے۔ پھر ذات نبوی میں اس پر بھی اکتفا نہ کرکے اور امکان ذاتی سے تجاوز کرکے چھ خاتم النبیین بالفعل ثابت کر بیٹھے اور امکانِ ذاتی کے باعتبار تو کچھ حد ہی نہ رہی، اور ان کا مرتبہ کچھ بڑے بھائی سے بڑا نہ رہا، اور بڑی کوشش اس میں کی کہ حضرت کا علم شیطان لعین کے علم سے کہیں کمتر ہے، اور اس عقیدے کے خلاف کو مشرک ٹھہرایا اور پھر اس توجہ پر جو ذاتِ اقدس نبوی کی طرف تھی اکتفا نہ کیا (اور) ذاتِ اقدس الٰہی کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور جناب باری تعالیٰ کے حق میں دعویٰ کیا کہ اللہ کا جھوٹ بولنا ممتنع بالذات نہیں، بلکہ امکانِ جھوٹ بولنے کو اللہ کی بڑی وصف کمال کی فرمائی، نعوذ باللہ من ھذہ الخرفات۔ میں تو ان امور مذکورہ کو ظاہر اور باطن میں بہت بُرا سمجھتا ہوں، اور اپنے محبین کو منع کرتا کہ حضرت مولانا رشید اور ان کے چیلے چانٹوں کے ایسے ارشاد نہ سنیں........

........اور حضرت مولوی غلام دستگیر صاحب کو ان کے رد میں جزائے خیر عطا فرماوے آمین ثم آمین'' (۱۵ر ذی قعد ۱۳۰۷ھ)......[۹۱]

۲۳ر رمضان ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا انتقال ہوا، اور جنت معلّٰی میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔......[۹۲]

حوالے و حواشی

۱- تفصیلی سوانح حیات کے لیے دیکھئے:

الف:۔ محمد سلیم، ایک مجاہد معمار (مطبوعہ: ۱۹۵۲ء)، ب:۔ امداد صابری، آثار رحمت (مطبوعہ: ۱۹۶۷ء) ج:۔ محمد تقی عثمانی، مقدمہ اظہار الحق، د:۔ پیرزادہ عبدالخالق، مولانا رحمت اللہ الکیرانوی حیاتہ و مآثرہ (مقالہ پی ایچ ڈی، الازہر یونیورسٹی قاہرہ: ۱۹۹۰ء)، ھ:۔ محمد عبداللہ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی علمی و دینی خدمات کا تحقیقی جائزہ (مقالہ پی ایچ ڈی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور: ۲۰۰۱ء)، و:۔ اظہار الحق کے محقق عربی طبعات کے مقدمات، ز:۔ عبدالحی حسن، نزھۃ الخواطر (دار عرفات، رائے بریلی ۱۹۹۳ء ۸: ۱۶۰، ح:۔ زرکلی، الأعلام، ۳: ۱۸، ط:۔ A. Ann Powell, Maulana Rahmatullah Kairanawi and Muslim-Christian Controversy In India In Mid 19th Century.

۲- شیخ شمس الدین ترک خواجہ احمد یسوی کی نسل سے تھے، اور ان کا سلسلۂ نسب محمد بن حنفیہ سے ملتا ہے۔ علاء الدین صابر کلیری کے مرید وخلیفہ تھے۔ ۷۱۶ھ میں پانی پت میں وصال ہوا، دیکھئے: عبدالحیٔ حسنی، نزھۃ الخواطر، ۲: ۵۴۔

۳- شیخ محمد حیات اور ان کے اس مدرسے کا تذکرہ سرسید احمد خان نے کیا ہے۔ دیکھئے آثار

الصنادید (مرتبہ: خلیق احمد) اردو اکاڈمی دہلی: ۱۹۹۰ء، ۲: ۲۶

۴- تفصیلی سوانح کے لیے دیکھئے: احمد علی شوق، تذکرہ کاملانِ رامپور، دہلی: ۱۹۲۹ء، ۱۳۵۔

۵- آثارِ رحمت، ۱۲۱، و ایک مجاہد معمار، ۱۸۔

۶- اشتیاق حسین قریشی، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ (اردو ترجمہ) بار سوم، کراچی یونیورسٹی، کراچی: ۱۹۸۷ء، ۲۹۳ (حاشیہ)

۷- سرسید احمد خاں، اسباب بغاوت ہند، بار اول، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ: ۱۹۵۸ء، ۴۳۔

۸- پادری فنڈر جرمنی میں پیدا ہوا، روسی ترکستان اور ایران وغیرہ میں طویل عرصے تک بحیثیت عیسائی مشنری کے کام کیا اور عیسائی دنیا میں خوب نام اور احترام کمایا۔ جرمنی، روسی، اور انگریزی کے ساتھ ساتھ فنڈر کو فارسی زبان میں بھی کافی دسترس تھی۔ ۱۸۰۳ء میں پیدا ہوا، اور انگلینڈ میں ۱۸۶۷ء میں وفات پائی۔

۹- دیکھئے: محمد عبداللہ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی علمی و دینی خدمات کا تحقیقی جائزہ، ۲۳۱

۱۰- اس مناظرے کی تفصیل کے لیے دیکھئے: محمد عبدالقادر المکاوی، المناظرۃ الکبریٰ، (مقالہ پی ایچ ڈی جامعہ محمد سعود، ریاض) اس مقالے کو سعودی حکومت نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا۔

۱۱- دیکھئے: محمد عبداللہ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی علمی و دینی خدمات کا تحقیقی جائزہ، ۳۰۹۔ ۳۱۴، ۳۲۲۔ ۳۵۰

۱۲- اس عہد میں عبدالعزیز ترکی کے سلطان تھے۔

۱۳- دیکھئے:۔ اظہار الحق، تحقیق: عمر دسوقی مکتبۃ الوحدۃ العربیۃ، الدار البیضاء (مراقش)، ۳،

۱۴- کتاب کا سب سے پہلا ترکی زبان کا ترجمہ سلطان عبدالحمید خان کے حکم پر شیخ نزہت آفندی نے کیا اور اس کا نام "ابراز الحق" رکھا، گجراتی ترجمہ محمد بھانجا راندیری نے کیا جو ۱۹۱۸ء میں سورت سے شائع ہوا، فرانسیسی ترجمہ ۱۸۸۰ء میں پیرس سے شائع ہوا، انگریزی ترجمہ ۱۹۸۹ء میں انگلینڈ سے شائع ہوا، اردو ترجمہ اکبر علی سہارنپوری نے کیا اور یہ ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" اور اس کا پہلا ایڈیشن کراچی سے ۱۹۶۹ء میں منصۂ شہود پر آیا۔

۱۵- دیکھئے: محمد عبداللہ، مولانا رحمت اللہ...... ۱۴۳۔ ۲۲۷

۱۶- دیکھئے: انوار ساطعہ، مطبع نعیمی، مراد آباد، غیر مورخ، ۲

۱۷- مصدر سابق، ۲۹۰۔ ۲۹۲

۱۸- مقدمہ تقدیس الوکیل، از: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، نوری کتب خانہ، لاہور، غیر مورخ

۱۹- تقدیس الوکیل، ۴۱۵۔ ۴۲۲

۲۰- عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، ۸: ۱۶۰۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

از: مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی، ایڈیٹر سہ ماہی الکوثر

خانقاہ رضویہ کے گوہرِ تابدار

حضرت بدر العلماء اور اُن کا تصلّب فی الدین

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہُ قَالَ، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنَّکُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَکَ مِنْکُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِہٖ ھَلَکَ ثُمَّ یَاْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْھُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِہٖ نَجَا (مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام)

ترجمہ: حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ جو احکامِ شرعیہ کا دسواں حصّہ چھوڑ دے تو ہلاک ہو جائے پھر وہ زمانہ آئے گا کہ جو احکام کے دسویں حصے پر عمل کرلے تو اس کی نجات ہو جائے۔

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانے میں حالات اس درجہ ناگفتہ بہ ہوں گے اور رکاوٹیں اتنی شدید ہوں گی کہ اس وقت آج کے لحاظ سے تبلیغ، سنن و نوافل اور ساری نیکیوں کے دسویں حصے پر عمل پیرا ہونا واقعی بہت بڑی ثابت قدمی ہوگی۔ چنانچہ ہم کھلی آنکھوں سے تبلیغ، سنن و نوافل اور ساری نیکیوں کی ادائیگی میں کھڑی ہونے والی رکاوٹوں کو دیکھ رہے ہیں۔ ایسے دور میں دسویں حصے پر عمل پیرا ہونا بھی توفیقِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ تصلّب فی الدین یعنی احکامِ شرائع پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہو کر زندگی کے لیل و نہار پورے کرنا ایک کامیاب مومن کی زندگی کی اہم شناخت ہے۔ اس کٹھن اور دشوار گزار راہ سے گزرنا حدیث شریف کے الفاظ میں ہاتھوں سے انگارہ پکڑنے کے مترادف ہے۔ دینی احکام پر سختی کے ساتھ قائم رہنا کرامتوں کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔ اس سلسلے میں تصلّب دین کی عملی نزاکتوں کا احساس دلاتے ہوئے صاحب تذکرہ حضرت مولانا بدر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی یادگار زمانہ تصنیف "سوانح اعلیٰ حضرت" میں یوں رقمطراز ہیں:

"بظاہر اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ (کسی سے محبت کرنا اللہ کے لیے اور کسی سے دشمنی رکھنا اللہ کے لیے) پر عمل کرنا بہت آسان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن عمل کرنے والوں سے پوچھیے وہ بتائیں گے کہ سال بسال روزہ رکھنا، رات بھر سجدے میں پڑا رہنا، دن بھر وظیفہ اور قرآن مجید پڑھنا آسان ہے مگر اپنی زندگی کو اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ کے سانچے میں ڈھال لینا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ بہت دشوار ہے۔ چنانچہ آپ کو بڑے بڑے نام نہاد مشائخ وصوفی عبادت و ریاضت، ذکر و فکر، تہجد و اشراق اور چاشت وغیرہ اعمال میں بہت چاق و چوبند نظر آئیں گے، لیکن جب ان کو اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ کی کسوٹی پر کس دیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ نرے جوگی ہیں اور باقی

دھونس ہی دھونس ہے۔

(سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ ۱۲۲۔۱۲۱)

بدر العلماء حضرت مولانا مفتی محمد بدر الدین احمد قادری رضوی نوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے منظر نامے کا مشاہداتی مطالعہ کرنے والوں کے زبان و بیان سے اس امر کی بخوبی نشاندہی ہوتی ہے کہ آپ کے قول و عمل میں تفاوت و تضاد کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ تفاوت و تضاد نے آج علما کرام کے مقام و مرتبہ کو نچلی سطح پر پہنچا دیا ہے۔ بڑے بڑے صاحبانِ جبہ و دستار کی زندگی کو کھنگالیے تو پوری زندگی تضادات کا شکار نظر آتی ہے۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم ☆ جنید و بایزید عطار ایں جا

لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نماز میں جائز نہیں ہمارے علمائے کرام سے بزبانِ استفتاء دریافت کیا جائے تو یہ جواب ہوگا کہ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز نہیں۔ لیکن عملی زندگی میں اس دعوے کا کھوکھلا پن دیکھنے کے لیے اکثر مساجد کا ایک جائزہ کافی ہے۔ اسی طرح ریڈیو، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، تار، فیکس وغیرہ کی خبروں سے شرعاً رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوتا۔ اس تعلق سے اگر ذمہ دار علمائے کرام سے استفتاء کیا جائے تو فتوے کی زبان میں یہی فرمایا جاتا ہے۔ کہ ریڈیو، تار، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن اور فیکس سے شرعاً رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوگا۔ لیکن رمضان المبارک اور عید الفطر کے موقع پر ان تمام قید و بند سے آزاد ہوکر عوامی طبیعت کا لحاظ پاس رکھتے ہوئے شرعی فیصلوں کی کھلے بندوں خلاف ورزی کی جاتی ہے اور کوئی نہیں ہوتا جو ان ذمہ داروں کی کلائی تھام کر ان کی شرعی بے اعتدالیوں اور ناانصافیوں کا کھلا محاسبہ کر سکے اب تو بعض ذمہ دار ادارے ٹیلی فون کے ذریعے دور دراز علاقے میں ثبوتِ رویت ہلال کا شرعی حکم نافذ کرتے ہیں الامان والحفیظ۔

تاہم یہ بات ضرور باعث تسکین ہے کہ آج بھی متدین علمائے کرام کا مقدس و نورانی قافلہ ہے کہ تصلّب فی الدین جن کی شناخت ہے۔ وہ عوامی طبیعت کا لحاظ و پاس نہ رکھ کر شرعی ضابطوں کی نزاکتوں کا احساس فرماتے ہوئے خود بھی اپنی زندگی کے لیل و نہار پورے کر رہے ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس پر کاربند ہونے کی تلقین فرماتے ہیں۔ انہی باکمال اور خدا رسیدہ شخصیات میں حضرت مولانا مفتی محمد بدر الدین علیہ الرحمۃ الرضوان کا نام نامی اسم گرامی بھی شامل ہے۔ تصلّب فی الدین، استقامت علی الشریعۃ اور تدیّن جن کے اوصاف خاص تھے۔ اپنے ہم عصر علما میں انہی اوصاف کی بنا پر ایک امتیازی شناخت کا درجہ آپ کو حاصل رہا۔ زندگی کے ہر نشیب و فراز میں وہ شریعت کی پاسداری اور اس کا مکمل عمل دخل دیکھنا پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ موصوف مدرسۂ فیض الرسول (براؤں شریف، ضلع بستی) کے منصب صدارت سے صرف اور صرف اس لیے مستعفی ہوگئے کہ مجلسِ منتظمہ نے حساب و کتاب کے لیے عربی تاریخ کی جگہ انگریزی تاریخ رکھنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں وہ اپنے ایک شاگرد امام بخش کو مکتوب تحریر کرتے ہوئے اپنے درد و کرب کا اظہار بایں الفاظ کرتے ہیں۔

"پارسال سے بورڈ کے قانون کے مطابق یہاں تمام رجسٹر انگریزی تاریخ کے مطابق کردیئے گئے۔ ہاں! رجسٹر حاضری مدرسین میری وجہ سے دو بنانا پڑا ایک اسلامی تاریخ کے مطابق اور دوسرا انگریزی تاریخ کے موافق۔ میرا دستخط اسلامی تاریخ والے رجسٹر پر ہوتا رہا لیکن باقی تمام علما اسلامی اور انگریزی دونوں رجسٹر پر دستخط کرتے رہے۔ امسال جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ سے عربی تاریخ والا رجسٹر ختم کردیا گیا اور انگریزی تاریخ والا چالو رکھا گیا۔ اور مجھ سے مطالبہ ہوا کہ انگریزی تاریخ والے رجسٹر پر آپ بھی دستخط کریں۔ میں نے صاف انکار کردیا کہ میں انگریزی تاریخ والے رجسٹر پر ہرگز دستخط نہیں کروں گا۔"

(مکتوبات بدر ملت صفحہ ۱۴۵)

چنانچہ اس بنیاد پر آپ نے ۱۶ر شوال ۱۳۹۴ھ کو اپنے فرائض منصبی سے استعفیٰ دے دیا۔ ممکن ہے کسی کے ذہن و دماغ میں مولانا موصوف کے تعلق سے شکوک و شبہات پیدا ہوں اور وہ اسے بے جا شدت کا نام دیکر اس کی واقعیت و اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ مولانا موصوف کا یہ طریقۂ کار شرعی ضابطہ پر مبنی تھا۔ چنانچہ اس کی توجیہہ میں وہ تفسیر کبیر کی اس عبارت کا حوالہ پیش فرماتے ہیں جو ان عدۃ امشہور عنداللہ اثنا عشراً کے تحت پر وقال اهل العلم الواجب علی المسلمین بحکم هذہ الآیة ان یعتبروا فی بیوعهم ومدد دیونهم واحوال زکوتهم وسائر احکامهم السنة العربیة بالاهلة ولد یجوز لهم اعتبار السنة العجمیة والرومیته. (تفسیر کبیر للامام محمد الرازی ص ۴۴۷۰)

"علمائے اسلام نے فرمایا ہے کہ آیتِ مذکورہ کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی خرید و فروخت میں، اپنے قرضوں کی مدت مقرر کرنے میں اور اپنے سارے معاملات میں چاند کے حساب سے عربی سن کا لحاظ کریں اور ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ عجمی سن یا رومی سن کو استعمال کریں۔"

آج مغربی تہذیب و تمدن سے والہانہ وابستگی نے مسلمانوں کو دین و مذہب سے کافی دور کردیا ہے۔ آج مسلم معاشرے میں اقدار اسلامی کی وہ گہری چھاپ نظر نہیں آتی جو کبھی اس کا طرۂ امتیاز تھی۔ آج مسلمانوں کی حیات کا منظر نامہ مغربیت سے کافی درجہ متاثر ہے۔ اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں جبکہ ایک مومنِ کامل کے لیے ضروری ہے کہ اُن کی زندگی قرآن و حدیث سے اکتساب نور کرتے ہوئے مدنی عکس کا اظہار کرتی ہو۔ عوام تو عوام اب علمائے کرام کی زندگی میں بھی دین کی گرفت کا وہ سخت مزاج نظر نہیں آتا۔ دینی مدارس بھی مذہبی مزاج و انداز کا مکمل آئینہ نہیں بن پا رہے ہیں۔ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا باشد مسلمانی۔ دینی مدارس و مکاتب میں بھی انگریزی تاریخ کا چلن عام ہو چکا ہے۔

درج بالا واقعے سے حضرت موصوف کے تصلب فی الدین کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ آج تو دنیاوی حرص و ہوس کا بازار گرم ہے۔ ذاتی مفاد و منفعت کے لیے دین و شریعت کے گلے پر چھری چلاتے دیر نہیں لگتی۔ لیکن دین پرست اور دیندار لوگ دنیاوی منفعتوں کا سودا نہیں کرتے وہ تو آخرت کی فلاح و بہبود کے لیے دنیاوی منفعتوں کی قربانی دینے سے ذرا بھی دریغ نہیں کرتے۔ حق یہ ہے کہ ایسے ہی خدا ترس و

عاقبت ہیں متدین علمائے کرام کے لیے مچھلیاں پانی میں اور چیونٹیاں سوراخ میں دعائے خیر کرتی ہیں اور انہی کے صدقے ابر کرم برستا ہے۔

مفتی بدرالدین علیہ الرحمہ خود بھی احکام دینیہ میں متصلب اور سخت گیر مزاج واقع ہوئے تھے اور اپنی پاکیزہ صحبتوں سے فیض یاب ہونے والے تلامذہ واحباب کو بھی ہمہ دم اس بات کی سخت تاکید و تلقین فرماتے رہتے تھے۔ وہ اس سلسلے میں کسی مصلحت اندیشی کو راہ دینے سے قطعی گریز کرتے ہوئے احقاق حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ ان کی حیات "الحب فی اللہ والبغض فی اللہ" کی مکمل آئینہ دار تھی۔ موصوف ایڈ والحاق کے بطن سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا بہت باریک بینی سے مطالعہ فرمایا کرتے تھے اور اس کو دینی مدارس کے لیے آپ نے سم قاتل سمجھا۔ اس سلسلے میں اپنے ایک شاگرد کو سخت الفاظ میں ہدایت فرماتے ہوئے مکتوب تحریر کرتے ہیں۔ جملوں کی سختی سے تصلب فی الدین کا مزاج و انداز ملاحظہ فرمائیے۔

"یہ خبر سن کر مجھے شدید صدمہ اور دکھ ہے کہ آپ لوگ ایک دینی ادارہ کو اسکول بنانا چاہتے ہیں اور دوسری جگہ کی مثال دیتے ہیں۔ (موضع) بھوتی کی مسجد میں یہ اعلان میں نے کیا ہے کہ بھوتی کا مدرسہ گورنمنٹ کے پنجے سے آزاد رہے گا۔ اگر آپ لوگ اس کے خلاف کریں گے تو خدائے قہار جل شانہٗ کی بارگاہ میں آپ لوگ ذمہ دار ہوں گے۔ دینی ترقی کو سوچیے دنیوی تعلیمی ترقی کے لیے بہت سے اسکول ہیں میری یہ تحریر رجسٹر میں نقل کرا کر محفوظ کرا دیجیے۔" (مکتوبات بدر ملت صفحہ ۲۰۶)

ایک دوسرے مکتوب میں اپنے تلمیذ رشید مولانا عبدالصمد قادری کو یوں ہدایت فرماتے ہیں؛

"یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ مدرسہ اور مسجد کے لیے زمین حاصل ہوگئی ہے۔ یہ خیال رہے کہ بورڈ کا مزاج رکھنے والے طلباء، اساتذہ، اراکین، ممبران کا تعلق مدرسہ سے نہ ہونا چاہیے ورنہ آئندہ محنت ضائع ہو جائے گی۔ مولانا کوثر صاحب (تلمیذ رشید حضرت بدرالعلماء) چھپرہ میں کام کر رہے ہیں اپنے مدرسہ میں انہی لڑکوں کا داخلہ قبول کرتے ہیں جو بورڈ سے زندگی بھر الگ رہنے کا عہد کرتے ہیں۔"

(مکتوبات بدر ملت صفحہ ۱۸۳)

بدرالعلماء کے ایک معتقد مولانا محمد ضیاء الرحمان رضوی نوری آپ کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں ایڈ و الحاق کے بطن سے پیدا ہونے والی خرابیوں پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔ (۱) تاریخ پیدائشِ کفار و مرتدین منانی ہوگی (۲) قیام برائے تعظیم کفار و مرتدین کرنا ہوگا (۳) کفری ترانہ الاپنا ہوگا (۴) کفار و مشرکین اور مرتدین کی تصنیف کردہ کتابیں داخل درس ہوں گی (۵) آپ کے اختیارات ختم کر دیئے جائیں گے (۶) منہ پر تالا لگ جائے گا حق بات بولنے کا مجاز نہ ہوگا (۷) حکومت کے مسودات پر عمل کرنا ہوگا اگرچہ خلاف شرع ہوں (۸) دیوبندی، وہابی، مودودی، تبلیغی، ندوی، نیچری اور صلح کلی وغیرہ نیز کفار و مشرکین درس و تدریس کے عہدے پر مقرر کیے جائیں گے (۹) خالص دینی اور مذہبی تعلیم برائے نام رہ جائے گی (۱۰) تصویر کشی پر مجبور کیا جائے گا (۱۱) بدمذہبوں کے ساتھ مصافحہ و معانقہ، نشست و برخاست،

خورد و نوش، سلام و کلام کا سابقہ بھی ہوگا (۱۲) بے دینوں اور بد مذہبوں کو ایصال ثواب بھی کرنا ہوگا (۱۳) سیکڑوں برس کے سنّی مدارس کو دنیوی حرص و ہوا کے جال میں پھنس کر وہابی، دیوبندی، ندوی وغیرہم مرتدین اور کفار و مشرکین کے حوالے کر دینے ہوں گے (۱۴) مجلس انتظامیہ کے ارکان بعض یا کل وہی رہیں گے جن کا تعلق اہل سنت و جماعت اور مسلک اعلیٰ حضرت سے نہ ہوگا۔" (مضامین بدر ملت صفحہ ۴۴)

حضرت بدر العلماء ایڈ والحاق کے خطرناک عواقب و نتائج کے پیش نظر تا حیات اس کے سخت مخالف رہے۔ اپنے تلامذہ، احباب اور متوسلین و متعلقین کو ان سے آگاہ فرما کر اس سے بچتے رہنے کی سخت لفظوں میں ہدایت فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مدرسے کے جلسے میں شرکت کی دعوت دی گئی تو آپ نے شرکت فرمانے کا مشروط وعدہ کیا اور یہ جواب مجلس منتظمہ کو تحریر فرمایا۔

"میں جلسہ منعقدہ ۲۶ر جمادی الآخرہ ۱۴۰۵ھ بمقام بھوتی کی دعوت اس شرط پر منظور کرتا ہوں کہ بھوتی گاؤں کے سربر آوردہ حضرات اور سابق پردھان ضیاء اللہ صاحب نیز مولانا اصغر علی صاحب اس امر کی تحریر دیں کہ ہم باشندگانِ بھوتی وغیرہ علاقہ بھابھر ضلع گونڈہ اس بات کا صفائی کے ساتھ تحریری اعلان کرتے ہیں کہ اللہ و رسول جل شانہ وعلیہ التحیۃ والثناء کی رضا کی خاطر مدرسہ فیضانِ رضا وارث العلوم علاقہ بھابھر گونڈہ کو الحاق سے آزاد رکھا جائے گا اور شریعت اسلامیہ کے تقاضہ کے مطابق مدرسہ مذکور میں صرف دینی، مذہبی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔" (مکتوبات بدر ملت ص ۲۰۶، ص ۲۰۷)

چنانچہ آپ کے حکم و ایما پر مولانا اصغر علی و سابق پردھان وغیرہما نے اس قراری بیان پر اپنا دستخط کر کے بدر ملت کی خدمت میں روانہ فرمادیا۔ پھر آپ حسب وعدہ جلسہ میں تشریف لے گئے۔

ذاتی مفاد سے اُوپر اٹھ کر ملت کی فلاح و بہبود کے لیے آپ پریشان خاطر رہا کرتے تھے اس سلسلے میں موجودہ دینی درسگاہوں کے فارغین علما و حفاظ کی بے عملی و کم علمی اور تقاضائے دین سے ناواقفی پر بھی موقع بہ موقع اپنے درد و کرب کا اظہار فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ مدرسہ غوثیہ بڑھیا کی سالانہ روئداد ۱۳۵۵ھ میں یوں اظہار خیال فرماتے ہیں۔

"دور حاضر کی اسلامی درسگاہوں کے فارغ التحصیل علما ان میں اکثر و بیشتر حضرات تقاضۂ دین سے نا آشنا ہیں' ان کا دامن علمِ نافع سے خالی ہے۔ ان کے پاس عملِ صالح کی پونجی نہیں۔ ان کے کردار اور عام فاسقوں کے اعمال میں کوئی امتیاز نہیں۔ ان کے طرزِ عمل سے اسلامی معاشرہ سدھرنے کے بجائے بگڑتا جا رہا ہے۔ ان کا ٹڈی دل لشکر موجود ہے لیکن پھر بھی مسلمانوں کی دینی حالت پست ہے۔ باطل پرستوں کا زور ہے، صلح کلیت کا غلبہ ہے۔ سنّیت بے کسی کے عالم میں دم توڑتی جارہی ہے۔ اس تشویشناک صورتِ حال کا سبب بالکل ظاہر ہے۔ ادارے قائم ہیں، دینی تعلیم کے لیے مسلمانوں سے چندہ لیا جاتا ہے اسلامی تعلیم کے نام پر مگر افسوس کہ ان تعلیمی اداروں میں نہ تو علمِ نافع کی لگن ہے نہ عملِ صالح کا کوئی پُرسانِ حال ہے۔ بس لے دے کر گنی چنی درسی کتابوں کے شروع کے چند صفحات کی تدریس ہے، اور پھر کاپیوں میں لکھے ہوئے مخصوص نوٹوں کو رٹا رٹا کر مولوی، عالم، فاضل کا امتحان دلانا اور جلسۂ عام میں امید

داروں کی دستار بندی کرا دیتا ہے۔ ان الحاقی مولویوں اور مولاناؤں میں اکثر کا حال یہ ہے کہ علامہ ہوتے ہوئے صحیح طور پر میزان و منشعب کا درس نہیں دے سکتے۔ ان کو نہ تو عقائد دینیہ کی خبر ہے نہ مسائل شرعیہ کا پتہ۔ نماز و زکوۃ کے موٹے موٹے مسائل سے ناواقف ہیں، حد یہ ہے کہ فقہی تعلیم کے مطابق وضو کرنا نہیں جانتے، صورت فاسقانہ اور سیرت لمحدانہ، تو پھر ان لوگوں سے حمایتِ دین اور احیائے شریعت کی امید رکھنا سانڈ سے دودھ دوہنا ہے۔" (مضامینِ بدر ملت صفحہ ۵۶۔۵۵)

کھرے کھرے لفظوں میں مدارسِ اسلامیہ کی جس قدر سچی عکاسی فرمائی ہے حق یہ ہے کہ یہ مولانا موصوف کی جرأتِ مومنانہ کا حصہ ہے۔ اکثر و بیشتر مدارس کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد مولانا موصوف کے جملے کی صداقت کا اعتراف و اقرار کیے بغیر چارۂ کار نہیں۔

مدرسہ فیض الرسول جب بورڈ سے ملحق ہوگیا اور پھر آپ کی سعیٔ بسیار کے بعد بھی مجلس منتظمہ اپنے فیصلے پر اٹل رہی تو آپ منصب صدارت سے مستعفی ہو گئے۔ اس سلسلے میں بورڈ سے ملنے والی امدادی تنخواہ بھی نہ لی۔ چنانچہ اپنے ایک شاگرد کے نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ادارہ فیض الرسول تو آپ کے زمانہ تعلیم ہی میں الہٰ آباد بورڈ عربی فارسی سے الحاق ہو چکا تھا۔ اس وقت یہ بورڈ صرف مدرسہ کو امداد دیتا تھا لیکن آج تین برس پہلے کا قصہ ہے کہ بورڈ نے مدرسہ کے مدرسین کو بھی امدادی تنخواہ دینا شروع کیا۔ چنانچہ جب ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں مدرسین کے نام پر امدادی تنخواہیں آئیں تو سب لوگوں نے لیا میں نے انکار کر دیا اور وہ روپیہ نہیں لیا۔" (مکتوباتِ بدر ملت صفحہ ۱۴۵)

اس مکتوب سے جہاں مولانا موصوف کے ایڈ و الحاق کے تعلق سے سخت گیر رویے کی نشاندہی ہو رہی ہے وہیں آپ کے توکل و استغناء کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ دنیاوی جاہ و حشم سے گریزاں تھے۔ خدا پرستی آپ کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مکر و ریا اور عجب کی آلائشوں سے آپ کی زندگی مکمل بے داغ تھی، سادہ مزاجی، قناعت اور شریعت کی مکمل پاسداری کے ساتھ زندگی کے لیل و نہار گزارتے رہے جبھی تو فیض الرسول جیسی معیاری اور معروف درسگاہ کی مسند صدارت کو چھوڑ کر بڑھیا کی ایک غیر معروف درسگاہ کی مسند تدریس کی زینت بخشی کے لیے آمادہ و تیار ہو گئے۔ چوں کہ وہاں کے ذمہ داروں کا مزاج پاکیزہ اور دینی تھا' اساتذہ کے مقام و مراتب کی مکمل نگہداشت ہوتی تھی' انہیں نوکر و ملازم کی حیثیت سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ فساق و فجار اور امداد دینے والے سیٹھ ساہوکار کے آگے دست بستہ سر نیاز خم کرنے کا مزاج نہیں دیا جاتا تھا' درسی و مذہبی معاملات میں اساتذہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھے جاتے تھے اور سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ وہ موجودہ الحاق و ایڈ کی خرابیوں سے بے داغ تھا۔ آپ خود بھی دینی مزاج رکھنے والوں میں تھے اور اپنے تلامذہ کو بھی اسی راہ پر گامزن دیکھنا پسند فرماتے تھے۔ خود بھی مکر و ریا سے محفوظ تھے دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں اپنے ایک شاگرد کو اس سلسلے میں ہدایت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اپنے اعمالِ حسنہ پر نگاہ رکھنا، پھولنا اور اترانا اس کو عُجب کہتے ہیں، عجب کے ساتھ ایک دوسرا خطرناک مرض یہ ہے کہ انسان اپنے اعمالِ خیر، عوام کی نگاہ میں سنوارنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ میری طرف لوگوں کی رغبت بڑھے' میری مقبولیت میں اضافہ ہو اور نفس امّارہ یہ سوجھاؤ دے کر مطمئن کرتا ہے کہ لوگوں میں مقبولیت نہ ہوگی تو سُنّیت کی تبلیغ' مسائلِ شرعیہ کی ترویج کیسے انجام دی جائیگی۔ ان خطرناک حالات میں بارگاہِ احدیت جل شانہ میں تضرع و زاری بہت ضروری ہے کہ نفس و شیطان قوی دشمن ہیں اور ان دونوں کے فریب اور دھوکے بہت باریک ہیں۔" (مکتوباتِ بدر ملت صفحہ ۱۶۳)

ایک دوسرے مکتوب میں بھی اسی طرح کی ہدایت کے ساتھ مکتوب الیہ کو علمی ترقی کے لیے کثرتِ مطالعہ کی ہدایت فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"دورِ حاضر میں کثرت سے نابالغ حضرات شیخ الحدیث، شیخ القراء، مفتیٔ اکبر بنتے جارہے ہیں۔ آپ بارگاہِ احدیت جل شانہ کی طرف رجوع کر کے اعلیٰ حضرت کی تصانیف و فتاویٰ کے مطالعے کی مشق کرتے رہیں تاکہ خدائے پاک اعلیٰ حضرت کا علمی فقہی سایہ عطا فرمائے لیکن اس کا خیال رہے کہ نعمتِ الٰہی کا حصہ ملنے پر کبر و غرور ہرگز ہرگز نہ ہونے پائے۔" (مکتوباتِ بدر ملت صفحہ ۱۴۷)

تصلب فی الدین آپ کا ایک ایسا امتیازی وصف تھا جس سے آپ اپنے ہم عصر علما میں ممتاز رہے۔ چنانچہ آپ اپنے ادارے میں داخلہ لینے والے طلبہ سے ایک اقراری معاہدہ نامے پر دستخط کراتے تھے جس میں بداعمالیوں سے مکمل دامن بچاتے ہوئے بدعتیوں نے اجتناب کرتے ہوئے دین کی تبلیغ میں سرگرم ہونے کا اقرار و اعتراف ہوا کرتا تھا۔ نیز ایڈ و الحاق سے بھی مجتنب رہنے پر پیمان ہوتا تھا، فراغت کے بعد یہ عہد و پیمان اس کی سند میں تحریر کر دیا جاتا تھا تاکہ آئندہ جب بھی کوئی اپنے عہد و پیمان سے سرمو انحراف کرے تو اس کی سند کی واقعیت ہی مشکوک ہو کر رہ جائے۔ اس تعلق سے سیدنا حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے یہ پاکیزہ تاثرات کا یہ اقتباس لائق ملاحظہ ہے۔

"طلبہ سے جو عہد لے کر داخل کیا جاتا ہے بعد فراغ وہ عہد سند میں لکھا ہوتا ہے جو طالب علم پڑھ کر اہل جلسہ کو سُنا کر اس پر گواہ کر لیتا ہے۔ یہ ایسی بے مثال چیز ہے جو اور سُنّی مدارس تو درکنار خود مرکز بھی اس ضروری امر کی طرف توجہ نہ کر سکا۔" (مکتوباتِ بدر ملت صفحہ ۱۴)

اپنے تلمیذ غلام محمد قادری کے عملاً پلپلے پن سے آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ جب تلمیذ مذکور کی شادی کے موقع پر آپ کے والد نے شادی میں شرکت کی درخواست پیش کی تو آپ نے اس موقع پر غلام محمد قادری کے نام ایک پیغام تحریر فرمایا جس میں ان کے عملاً پلپلے پن پر اپنے سخت صدمے کا اظہار فرمایا۔ آپ اپنے صدمے کے اسباب تحریر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"پہلی تکلیف مجھے یہ پہنچی کہ آپ نے سرکار غوث اعظم اور سرکار اعلیٰ حضرت کے نام لیواؤں سے علم دین حاصل کرنا بند کر کے شرک و کفر کے پجاریوں سے علم دنیا حاصل کرنا شروع کر دیا۔ آپ کے طرز عمل سے دین کی بے قدری ثابت ہوئی۔ پھر آپ نے دین سکھانے والے استاذ کی حق تلفی کی کہ استاذ

سے اجازت لیے بغیر آپ نے خود راستہ چلنا شروع کردیا...... دوسری شدید تکلیف مجھے یہ پہنچی کہ میں نے جو نماز، تلاوت قرآن شریف، قرأت، درود شریف کی تعلیم دی تھی اس کو آپ نے پس پشت ڈال دیا، مشرکین کی تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ آپ نے ننگے سر رہنا عادت بنالیا، پابندیٔ نماز سے الگ ہوگئے، قرآن پاک کا پڑھنا بند کردیا، درود شریف کا ورد چھوڑ دیا۔ سوچیے آپ کے دین و ایمان کا کتنا نقصان ہوا، رب العزت جل جلالہ کی بندگی سے الگ ہو جانا اس سے بڑا کوئی نقصان ہوسکتا ہے؟ اگر آپ نے عربی فارسی کی تعلیم بند کردی تھی تو یہ غنیمت تھا لیکن پہاڑ سے بھی بھاری بات یہ ہے کہ آپ نے دین کا راستہ ہی چھوڑ دیا۔...... لہٰذا آپ بارگاہِ الٰہی میں سچے دل سے توبہ کرکے تین باتوں کی پابندی کا عہد کیجیے (۱) ہر حال میں نماز پنج گانہ کا عہد (۲) چوبیس گھنٹے میں کم از کم ایک بار تلاوت قرآن پاک کا عہد (۳) روزانہ کم از کم سو بار درود غوثیہ پڑھنے کا عہد۔ یہ تینوں باتیں وہ ہیں جن پر آپ زمانہ ماضی میں برسہا برس عمل کرچکے ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں۔'' (مکتوبات بدر ملت صفحہ ۶۱-۶۰)

وظیفے کی اجازت طلب کرنے پر ایک معتقد کو احکام شرائع کی سختی کے ساتھ پابندی کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ ''داڑھی منڈانا حرام ہے اور دوسروں کی داڑھی مونڈنا بھی حرام ہے۔ داڑھی مونڈنے کی کمائی ناپاک اور خبیث ہے، آپ حجامت بنائیں لیکن داڑھی مونڈنے سے انکار کردیں۔ روزی خدائے پاک کے قبضے میں ہے۔ جب آپ ٹھوس ہو جائیں گے تو وظیفہ پڑھنے کی اجازت طلب کریں۔
(مکتوبات بدر ملت صفحہ ۲۱۷)

آپ نہ تو عقیدے میں نرم روی اختیار کرنے کے قائل تھے نہ ہی عملاً کسی طرح کا پلپلا پن آپ کو برداشت تھا جب بھی ایسا موقع آیا آپ نے بغیر کسی خوف لومۃ لائم اس کی اصلاح فرمائی۔ اس سلسلے میں وہ کسی کے علمی مقام و مرتبہ سے بھی قطعی مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ ملک کے مشہور و معروف ادیب و نقاد اور ملک العلماء مولانا ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بلند مرتبت صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب کی اصلاح کا ایک واقعہ آپ کے مکتوبات میں ملتا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''اپنے مرسلہ کارڈ میں آپ نے ملک العلماء کے لفظ کے سامنے ''رح'' کا اشارہ لکھا ہے اور اسی پوسٹ کارڈ میں دو جگہ کلمۂ جلالت لکھا ہے حالانکہ سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے پوسٹ کارڈ میں کلمۂ جلالت لکھنے سے منع فرمایا ہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ اس کی جگہ مولیٰ تعالیٰ لکھا جائے اور فقہائے کرام نے جس طرح درود شریف کے بدلے ص، ع، صلعم لکھنے کو منع فرمایا ہے یوں ہی کلمۂ ترضی، کلمۂ ترحم رض، رح لکھنا منع فرمایا ہے۔'' (مکتوبات بدر ملت صفحہ ۱۵۱)

اسی طرح مولانا منشا تابش قصوری کے نام مکتوب تحریر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ ''مرسلہ پیڈ کے ماتھے پر ''انجمن رضائے حبیب'' میں حبیب پر ص لکھا ہوا ہے تعجب ہے کہ ایسا کیوں؟ جب کہ شرعاً صلعم، ص، ع کا لکھنا حرام ہے۔ علامہ نظامی نے فردوسِ ادب حصہ اول میں ص ۳۲ پر مودودیوں کی کتاب سے بچوں کے لیے ایک نظم شامل کی ہے جس کا ایک بند یہ ہے۔

کون ہے حاکم کون ہے راجہ بولو بچو اللہ اللہ

ہمارے نزدیک اللہ رب العالمین کی مقدس ذات کو راجہ کے لفظ سے تعبیر کرنا حرام ہے اس امر سے علامہ موصوف کو مطلع کردیا گیا ہے۔ موصوف نے وعدہ فرمایا کہ طبع ثانی میں اس لفظ کو نکال دیا جائے گا۔" (مکتوبات بدر ملت ص ۱۱۸)

یقیناً آپ اپنے دور میں علم وعمل کا بہترین نمونہ تھے۔ اسلاف کے نقش قدم پر چل کر دنیادار و منفعت بردار غافل علما کے لیے آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ درس عبرت لیے ہوا ہے۔ ایک رشتے کے تعلق سے قاضی اطیعوالحق عثمانی قادری کو اپنی منشا سے مطلع فرماتے ہیں۔ اس میں بھی آپ کے تصلب فی الدین کی جھلک نمایاں طور پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ "میں ایسے ماں باپ کی لڑکی سے رشتے کا طالب ہوں جو دنیوی ٹیپ ٹاپ سے بے پرواہوں۔ دنیاداری پر ان کی دینداری غالب ہو، شریعت کا جو حکم ان کے سامنے رکھا جائے اس کو بے چوں وچرا مانیں اور عمل کرنے کی کوشش کریں، مالدار داماد پر دین دار داماد کو ترجیح دیں۔" (مکتوبات بدر ملت صفحہ ۱۵۳)

یہ تو تھے لڑکی کے والدین اور اس کے اہل خانہ کے تعلق سے بدرالعلماء علیہ الرحمۃ کی خواہشات کا اظہار جن سے آپ کا وصف تدین نمایاں ہے۔ اب ذرا لڑکی کے تعلق سے مطلوبہ اوصاف کی وضاحت ملاحظہ فرماتے چلیں۔ "لڑکی تندرست ہو آسیب زدہ یا مریضہ نہ ہو، پردہ کی پوری پابندی کرسکتی ہو، شوخ اور بے باک نہ ہو۔ اس کے اندر دین داری کا مادہ ہو، مزاج سادگی پسند ہو، شوہر کی اطاعت و خدمت کرنے کا جذبہ رکھتی ہو، اپنی دین داری کی وجہ سے شرعی پابندیوں کو بخوشی گوارا کرلیتی ہو، قران مجید کی تلاوت کرسکتی ہو، اور اردو کی چھوٹی چھوٹی کتابوں کو پڑھ لیتی ہو، حسن سیرت اور قبول صورت والی ہو، نسب صاف ستھرا، بے داغ ہو، فیشن پرستی کی دلدادہ نہ ہو۔" (مکتوبات بدر ملت ص ۱۵۳-۱۵۴)

زندگی کا کوئی سا بھی رخ ہو آپ کی دینداری کی واضح جھلک اس میں بہرحال ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ رضوی کتاب گھر کے لٹریچر کو "نورانی گلدستہ" حصہ اول کی طباعت کے سلسلے میں ہدایت نامہ تحریر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"میری اس کتاب کے آخر میں اگر آپ چاہیں گے تو صرف سرکار اعلیٰ حضرت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ اور دیگر علمائے اہل سنت کی تصانیف کا اعلان دے سکتے ہیں۔ بازاری کتابوں کا اعلان نہیں دے سکتے۔ کاتب کو ہدایت کردیں کہ درود شریف کے بدلے ص، ع، صلعم ہرگز ہرگز نہ لکھے یوں ہی کلمات ترضی و ترحم کے عوض رض، رح کا اشارہ نہ لکھے۔" (مکتوبات بدر ملت ص ۱۶۴)

علمائے دین، خطبائے اسلام اور مشائخ عظام اپنی اپنی منصبی ذمہ داریوں سے پہلوتہی کررہے ہیں جس کے خطرناک نتائج ہمارے سامنے ہیں اور سنی عوام بدعقیدگی کے طوفان کی زد سے خود کو محفوظ و مامون رکھنے میں ناکام نظر آرہی ہے۔ جب کہ سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں بدعقیدوں کی صحبت قاتل سے خود کو محفوظ رکھنے کی ہدایت فرماتے ہوئے کہا تھا ایا کم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم" (مسلم

شریف جلد ۱) (ترجمہ) ''اے مسلمانو! تم لوگ بد مذہبوں سے دور رہنا اور خود سے ان کو الگ تھلگ رکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں بد عقیدہ بنا دیں۔'' اس فرمان مقدس کو آج کے مسلمانوں نے طاق نسیاں کی نذر کر دیا ہے، نتیجہ معلوم کہ بدعقیدہ جماعتیں سنی سادہ لوح عوام کو اپنا شکار بنانے میں کامیاب ہوتی چلی جارہی ہیں۔ اور ہمارے ذمہ دار علما، خطباء اور مشائخ کرام گوشۂ عافیت میں سکون کی نیند سو رہے ہیں اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہیں۔ ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را

ایسے غفلت شعار ذمہ داران کو ان کی منصبی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر میدانِ عمل میں آنے کی تاکید و تلقین کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''یاد رہے کہ عوام مسلمانوں کے بدعقیدہ بن جانے کا وبال ان واعظین و مقررین، علما اور پیروں پر ہے جو شنوائی، گویائی، بینائی کی طاقت رکھنے کے باوجود بد مذہبوں کی نشاندہی کرنے اور ان کے متعلق حکم شرعی سنانے کے بارے میں صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ بہرے، گونگے، اندھے بنے ہوئے ہیں۔ خانقاہوں کے پیران کرام، درگاہوں کے سجادہ نشین، تعلیم گاہوں کے علمائے عظام، دار العلوم و جامعہ کے ساحر البیان واعظین، تبلیغی جلسوں میں مدعو کیے جانے والے مقررین اگر عام مسلمانوں کو وہابیت کی گمراہی اور بے دینی سے آگاہ کرتے رہتے اور وہابیوں کے بارے میں یہ حکم شرعی سناتے رہتے کہ وہابیوں کے پیچھے نماز باطل ہے، وہابیوں سے شادی بیاہ کا رشتہ قائم کرنا حرام ہے، وہابیوں سے اپنے بچوں کو تعلیم دلوانا جائز نہیں تو آج وہابیت کا خونخوار بھیڑیا دن دھاڑے سنیت کا خون چوسنے نہ پاتا اور پیارے مصطفےٰ ﷺ کی سادہ لوح بھیڑیں اپنا ایمان و عقیدہ بگاڑ کر ہلاک نہ ہوتیں۔ مگر افسوس ہزار افسوس کہ دور حاضرہ میں آنکھوں دیکھتے سنیت کی عمارت ڈھائی جارہی ہے۔ مصطفےٰ پیارے ﷺ کی بھولی بھالی بھیڑیں وہابیت کا شکار ہوتی جارہی ہیں۔ لیکن جھوٹی، بناوٹی من گھڑت مصلحتیں ہیں جو شعلہ بار دھواں دار ساحر البیان علما، خطباء، مقررین، واعظین، مشائخ اور پیروں کی زبانوں پر تالا لگاتی ہیں۔ فالی اللہ تعالیٰ المشتکیٰ۔ (چند سطروں کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں) دور حاضر کے فصیح البیان طلیق اللسان مقررین میں اکثر و بیشتر حضرات جان بوجھ کر اس فرض کی ادائیگی سے کتراتے ہیں کیوں کہ انہیں اندیشہ ہے کہ جب ہم وہابیوں کے نام لیں گے اور ان کے شرعی احکام بیان کریں گے تو ہمارے دھندے کا بازار ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ (مضامین بدر ملت ص ۱۲۶، ۱۲۸)

حضرت بدر العلماء مفتی بدر الدین احمد قادری رضوی نوری رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل، زہد و تقویٰ، فہم و فراست، توکل و استغناء، اتباع شریعت، پیروی رسول اللہ ﷺ اور تصلب فی الدین جیسے اوصاف حمیدہ سے نہ صرف یہ کہ خود متصف تھے بلکہ اپنے احباب، تلامذہ، متوسلین و معتقدین کے اندر بھی موقع بہ موقع اس کی چنگاری پھونکتے رہتے تھے۔ آپ کی ذات یقیناً اپنے زمانے اور بعد کے عصر کے علما کے لیے مثالی اور تقلیدی نمونہ ہے۔

صاحبِ تصانیفِ کثیرہ شیخ المشائخ سجادہ نشین رائچور اور مسلکِ اعلیٰ حضرت

از: سید محمد فیض اللہ حسینی اشرفی ایم۔اے۔ ناگپور

صاحبِ تصانیفِ کثیرہ، شیخ المشائخ حضرت علامہ السید الشاہ چندا حسینی صوفی اشرفی سجادہ نشین آستانہ عالیہ شمسیہ اشرفیہ رائچور رحمۃ اللہ علیہ، آستانہ مبارکہ پندرھویں سجادہ نشین اور علاقۂ دکن کے وہ مسلم صاحبِ علم بزرگ تھے، جن کی بارگاہِ علم میں بڑے بڑے صاحبانِ علم نے زبردست خراجِ عقیدت پیش کی، اور علما کرام آپ کے علم کی گہرائی اور گیرائی کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ پہلے ہم آپ کے آباء و اجداد اور خاندانی بزرگوں کا مختصر تذکرہ کریں گے تاکہ قاری کو آپ کے خاندان کے بزرگوں کے حالات کا علم ہو جائے۔ حضرت شیخ المشائخ رحمۃ اللہ علیہ دکن کے مشہور و معروف ولی کامل قطب رائچور حضرت سید شاہ احمد شمس عالم حسینی قدس سرہ المتوفی ۸۹۲ھ کے پندرہویں سجادہ نشین تھے۔

حضرت قطب رائچور: سید شاہ احمد شمس عالم حسینی قدس سرہٗ دکن کے صاحبِ فیض و مشہور و معروف اولیاء کرام میں سے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ۸۶۸ھ میں ملک عراق کے مقام سامرہ سے ملتان تشریف لائے اور وہیں سکونت پذیر ہوئے۔ حضرت قطبِ رائچور کے جدِ امجد حضرت سید شاہ جہاں شیر حسینی قدس سرہ مع اپنی اہلیہ محترمہ اور اپنے برادر مکرم رحمۃ اللہ علیہما کے فیروز شاہ بہمنی کے دورِ حکومت میں گلبرگہ شریف تشریف لائے اور سلطان فیروز شاہ بہمنی نے آپ حضرات کو فوج میں اعلیٰ عہدوں پر مامور کیا۔

کرامت کا اظہار: ایک روز فیروز شاہ بہمنی شکار کے لیے نکل پڑا، اس کا فوجی دستہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ حضرت سید شاہ جہاں شیر حسینی اور آپ کے بھائی بھی ساتھ تھے، جب بادشاہ کی طبیعت شکار سے سیر ہوئی تو واپسی کا حکم دیا، بادشاہ کی سواری جب شہر کے قریب پہنچی تو اس کی شہزادی بالاخانہ پر کھڑی ہو کر جلوسِ شاہی کا منظر دیکھ رہی تھی کہ ناگاہ شہزادی کی نظر ایسے دو سواروں پر پڑی کہ جو بادشاہ کے سر پر اڑے چلے آرہے تھے۔ جب سلطان قصر شاہی میں داخل ہوا تو شہزادی نے حیرت زدہ ہو کر چشم دید واقعہ بیان کیا، شہنشاہ بھی اس عجیب و غریب واقعے کو سن کر مبہوت ہوگیا۔ اس نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ میرے ارکانِ دولت میں ایسے باکمال و باکرامت خوش نصیب لوگ کون ہیں۔ چنانچہ شدید طوفانِ باد و باراں شروع ہوا کہ بڑے بڑے تناور درختوں کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دے۔ بادشاہ نے کہا کہ اب گلِ مقصود ہاتھ آسکتا ہے۔ دو جاسوسوں کو حکم دیا کہ وہ تمام ارکانِ دولت کی خبر لیں اور جو کچھ دیکھا ہے فوراً بادشاہ کو سنا دیں۔ جاسوس اپنے کام پر روانہ ہوگئے، گشت کرتے ہوئے حضرت سید شاہ جہاں شیر حسینی قدس سرہٗ کے خیمے پر پہنچتے ہی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ باوجود سخت آندھی و طوفان کے چراغ روشن ہے۔ یہ دونوں

حضرات تلاوتِ قرآن مجید میں مصروف ہیں۔ وہ دونوں جاسوس لوٹ کر سلطان کو اس عجیب وغریب واقعہ کی اطلاع دیدی۔ ادھر سلطان پر اُن حضرات کی حقیقت حال سے آگاہی ہوئی اور ادھر کشف سے ان حضرات نے معلوم کرلیا کہ سلطان نے ہمیں جان لیا اور ہمارا رازِ ولایت آشکارا ہوگیا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم یہاں سے کوچ کریں۔ الغرض حضرت سید شاہ جہاں شیر حسینی قدس سرہ مع اپنی اہلیۂ محترمہ اور بھائی کے اسی شب تیرہ و تار اور طوفانِ باد و باراں میں ہی روانہ ہوگئے۔ درمیانِ سفر میں ایک خوفناک ندی دریائے بھیما کے کنارے پہنچے تو دیکھا ندی کا پانی بہت تیز رفتاری سے رواں ہے اور اس کے دونوں کنارے لبریز ہیں۔ چنانچہ آپ نے بسم اللہ کہہ کر اپنے قدم مبارک کو پانی میں رکھا اور اسی پانی پر ہی اپنی چادر بچھادی۔ وہ چادر ان حضرت کے لیے سواری کا کام دینے لگی، تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ چادر کا ایک کونہ ہلنے لگا اور حضرت سید شاہ جہاں شیر حسینی قدس سرہٗ کی اہلیۂ محترمہ کے شکم مبارک کے اندر سے آواز آنے لگی کہ جلال الدین کی دنیا میں آمد کا وقت قریب آچکا ہے۔ آپ کو دردِ زہ محسوس ہونے لگا، بالآخر اسی حالت میں ندی کے اس پار اُتر جاتے ہیں، رات کا وقت اور طوفانِ باد و باراں، جنگل یہ وہ مناظر تھے کہ والدین کو پریشان کرنے کے لیے کافی تھے، اس کے باوجود یہ حضرات بالکل بے خوف خدائے تعالیٰ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کیے ہوئے وہیں قیام پذیر ہوئے۔

حضرت قطب رائچور کے والد ماجد کی جلوہ گری :

اب بہت جلد دنیا میں آفتابِ ولایت کی جلوہ گری ہونے والی تھی، پیدا ہونے والا بچہ باکرامت تھا اور شکمِ مادر ہی سے آواز دیتا ہے کہ اے مادرِ محترم اب سید جلال الدین کی آمد بہت قریب ہے لہٰذا آپ تھوڑا کپڑا نگل لیں، چنانچہ والدہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا نے مکھن میں لپیٹ کر کپڑا نگل لیا، تھوڑی دیر کے بعد شکمِ مادر سے نومولود تہبند باندھے ہوئے پیدائش کی آلودگیوں سے پاک وصاف تشریف لاتے ہیں۔

خواجۂ دکن حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا حیرت سے آسمان کی طرف دیکھنا:

ادھر آفتابِ ولایت کی جلوہ گری ہوتی ہے ادھر گلبرگہ شریف میں صاحبِ ولایتِ دکن حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت دیر تک آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے، حاضرین کے استفسار پر ارشاد فرمایا کہ مقام "رے واڑی" میں امیر المومنین سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں آج ایک بچہ پیدا ہوا ہے جو آسمانِ ولایت کا چاند ہے، جس کی خوشی آسمانوں پر منائی جارہی ہے۔ اس طرح حضرت قطب رائچور قدس سرہ کے والد ماجد دنیا میں تشریف لائے۔

غیب سے گہوارے کا نمودار ہونا :

آپ کے والدین اپنے اس نومولود کے لیے فکرمند تھے کہ ایامِ مسافرت میں اس نومولود کو لے کر کہاں جائیں، فوراً آسمان سے ایک گہوارہ نمودار ہوا، آپ کو لیکر وہاں سے پرواز کرگیا۔ والدین بچے کی تلاش میں زمین کی سیر کرتے ہوئے گلبرگہ شریف کے قریب مقام "گوگی شریف" اس جگہ کے قریب پہنچ گئے جہاں آپ کا روضۂ منورہ ہے۔

انگشت مبارک سے دودھ کا جاری ہونا:

درخت کے گھنے سائے میں جہاں گہوارہ لگا ہوا تھا وہیں گہوارے کے اطراف چڑیاں چھائی رہتی تھیں، جب آپ کو دودھ پینا ہوتا تو اپنی انگشت شہادت چوسنے لگتے جس سے شیریں دودھ جاری ہوتا جس کو آپ نوش فرمالیا کرتے۔ آپ کے والدین اور چچا محترم رحمۃ اللہ علیہم چند روز کے بعد آپ کی تلاش میں اس مقام پر پہنچے جس جگہ آپ کا گہوارہ لٹکا ہوا تھا۔

جب آپ اپنی عمر شریف کے شباب کے عالم میں پہنچے، جس جگہ آپ کا روضۂ منورہ ہے وہیں غیر مسلموں کا ایک جوگی سنگم ناتھ رہتا تھا جو استدراج میں اپنے زمانہ میں مشہور تھا۔ ایک دن اس نے آپ کی بارگاہ میں گستاخی کی تو آپ نے کرامت سے مجبور کر دیا کہ وہ عاجز آجائے جب وہ عاجز آچکا تو آپ نے اسے وہاں سے بھگا دیا۔

حضرت خواجہ بندہ نواز کی بارگاہ میں حاضری:
اور "چندا حسینی" کے لقب سے ملقب ہونا:

جب آپ سولہ سال کی عمر شریف میں پہنچے تو آپ حضرت خواجۂ دکن خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی خدمتِ اقدس میں شرف ملاقات سے مشرف ہونے کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ مجلس خواجہ میں پہنچے تو حضرت خواجہ نے آپ کا شاندار استقبال فرمایا، حاضرین کے دریافت پر ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے وقت کے کامل ولی اور زمانہ کے قطب ہیں۔ حضرت خواجہ نے آپ کو آسمانِ ولایت کا "چندا" کہہ کر مخاطب فرمایا۔ یہ لقب آپ کو اتنا پسند آیا کہ تب سے آپ "سید چندا حسینی" کے لقب سے ملقب ہو کر "گوگی شریف" واپس تشریف لائے، زندگی بھر آپ اسی لقب سے معروف رہے اور آج بھی تاریخ میں اسی لقب سے معروف ہیں۔ آپ کا پیدائشی نام تو سید جلال الدین حسینی ہے۔ لیکن حضرت خواجہ بندہ نواز کے بخشے ہوئے لقب "سید چندا حسینی" سے معروف ہو گئے۔

آپ کے صاحبزادے:

آپ کو خداوند قدوس نے چار صاحبزادے عطا فرمائے وہ سب کے سب اپنے وقت کے کامل ولی گزرے ہیں۔ فرزند اکبر حضرت سید شاہ نور عالم حسینی قدس سرہ آپ اپنے والد کے جانشین ہوئے، زندگی بھر آپ اپنے والد ماجد ہی کی صحبتِ بابرکت میں رہے بعد وصال اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ سجادگان حضرت قطب رائچور آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں اور دو صاحبزادے بیدر میں آسودۂ حال ہیں۔

دوسرے صاحبزادے قطب رائچور حضرت سید شاہ احمد شمس عالم حسینی قدس سرہ ہیں۔ آپ کا پیدائشی نام سید احمد حسینی ہے اور لقب سید شمس عالم حسینی قدس سرہٗ ہے۔ آپ ۸۳۸ھ میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ آپ کو بیعت و خلافت اپنے والد ماجد قطب الاقطاب ثانی شاہ ادہم حضرت سید شاہ چندا حسینی

قطب گوگی شریف سے حاصل ہے، آپ خلیفہ ہیں حضرت شیخ عارف کے، آپ خلیفہ ہیں حضرت شیخ جلال الدین زنجانی کے اور آپ کے خلیفہ ہیں حضرت تارک السلطنت سید شاہ مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے۔ دکن میں اشرفی فیض جاری کرنے والے حضرت قطب گوگی شریف اور حضرت قطب رائچور قدس سرہما پہلے بزرگ ہیں۔ دکن میں اشرفی سلسلہ آپ حضرات ہی سے جاری ہوا۔ یہ خاندان اسی نسبت سے صدیوں سے اشرفی ہے۔

حضرت قطب رائچور کو صاحب ولایت رائچور کا عطا ہونا:

آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی ہو چکی تھی کہ ایک دن آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کے لیے پانی لانے کا حکم صادر فرمایا، آپ نے پانی حاضر کر دیا۔ اتفاقاً ایک کوا وضو کے برتن میں بیٹ کر دیا تو آپ نے اس کوے کو پُر جلال نظر سے دیکھا اور کوا آپ کی پُر جلال نظر کی تاب نہ لا کر اسی وقت زمین پر گر کر مر گیا۔

اس واقعہ کے بعد آپ کے والد ماجد حضرت قطب گوگی شریف قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جلال؟ اسی وقت آپ نے کوے پر رحمت بھری نظر ڈالی وہ کوا زندہ ہو کر وہاں سے اڑ گیا۔ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اب تم اپنے ولایت کے کامل درجے پر پہنچ چکے ہو، لہٰذا تم اپنے مقامِ ولایت کی تلاش میں نکل پڑو اور بندگانِ خدا کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دو اور یہ ارشاد فرمایا کہ تم یہ دو تاڑ کے پھل اپنے ساتھ لے لو دن بھر سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ' کے تحت روئے زمین کی سیر کرو اور جب مغرب کا وقت ہو جائے تو ان دونوں تاڑ کے پھلوں کو زمین میں بو کر ان پر وضو کرو اور وہیں مغرب و عشاء اپنے اپنے وقتوں پر پڑھ کر رات بھر وہیں رہو، اگر ان پھلوں سے صبح کونپلیں نکل آئیں تو وہی تمہارا مقامِ ولایت ہے، آپ اسی طرح برابر روئے زمین کی سیر کرتے رہو۔

دریائے کرشنا کا رک جانا:

حضرت قطب رائچور سید شاہ احمد شمس عالم حسینی قدس سرہٗ سیر کرتے ہوئے دریائے کرشنا کے کنارے پہنچے تو دیکھا دریا لبالب طوفانی شکل میں بہہ رہا ہے، آپ نے ایک پُر جلال نعرۂ تکبیر بلند فرمایا کہ جس سے پورا جنگل دہل اٹھا، بسم اللہ کہہ کر، اللہ اکبر کے ساتھ آپ نے اپنا قدمِ مبارک دریا میں ڈال دیا۔ آپ کے قدمِ مبارک پانی پر پڑتے ہی دریا کا پانی پھٹ گیا اور دریا سے راستہ نکل آیا۔ آپ اسی راستے سے چل کر دوسرے کنارے پر پہنچے، جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ غیر مسلموں کا ایک جوگی استدراجی قوت کے ساتھ آسن جمائے قیام کیے ہوئے تھا، اس جوگی نے آپ کو دیکھا تو بھڑک اٹھا۔ آپ نے اپنی کرامت سے زبردست مقابلے کے بعد زیر کر دیا اور وہ وہاں سے شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ نے وہاں قیام کیا وہ مقام آج بھی ایک چبوترے کی شکل میں محفوظ ہے، پھر آپ وہاں سے ۸۵۶ھ میں رائچور میں اس جگہ کے قریب تشریف لائے جہاں آپ کا مزار مقدس ہے۔ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق مغرب کے وقت وہاں قیام اور دونوں تاڑ کے پھل زمین میں بو کر ان پر مغرب اور عشاء کا وضو فرمایا

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حضرت قطب رائچور کی کرامت کہ صبح ان میں کونپلیں نکل آئیں۔ حضرت قطب رائچور نے جان لیا کہ یہی میرا مقام ولایت ہے۔

:خطرناک جنگل میں آپ کا قیام:

۸۵۶ھ میں جہاں آپ نے قیام فرمایا وہ ایک زبردست پُر ہیبت خطرناک جانوروں سے بھرا جنگل تھا۔ ایک دو آدمی کا گزر بھی اس جنگل سے مشکل ہی سے ہوتا تھا آپ اس بھیانک جنگل میں نہایت سکون واطمینان کے ساتھ عبادت وریاضت میں مصروف رہے۔

:شہنشاہ وقت کی بیوی کی گستاخی:

مقام رائچور اس وقت تک کفر وشرک سے بھری ہوئی آبادی تھی الاماشاءاللہ دور دور تک آبادی غیر مسلموں سے بھری ہوئی تھی، ایک روز اپنے وقت کی رانی شکار کے لیے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اس جنگل کی طرف نکلی ہوئی تھی۔ اس کا گزر اس جگہ سے ہوا جہاں آپ رونق افروز تھے۔ یہ دیکھکر وہ حیرت زدہ رہ گئی کہ اتنے گھنے جنگل میں تنہا ایک آدمی یہاں بیٹھا ہوا ہے، آپ کے حسین وجمیل چہرۂ مقدس پر نظر پڑی تو دیکھا کہ سامنے کے دو دندانِ مقدس قدرے لب انور سے نکلے ہوئے ہیں۔ اس رانی نے دل میں یہ بات سوچی ہی تھی کہ اس کے پورے دانت گر پڑے وہ بہت گھبرا گئی اور گرے ہوئے دانتوں کو جمع کر کے اپنے پاس رکھ لی۔ اُس نے سفر ملتوی کر کے واپس اپنے محل پہنچی اور اپنے شوہر سے پورا واقعہ بیان کر دیا۔ اس کے شوہر نے کہا وہ کوئی معمولی شخص نہیں معلوم ہوتا ہے وہ ایک زبردست پہنچا ہوا انسان معلوم ہوتا ہے۔ تونے اس انسانِ کامل کی بارگاہ میں بہت بڑی گستاخی کی ہے اب وہی تیرا قصور معاف کریں گے۔ چنانچہ رانی اپنے شوہر کے ساتھ حاضر بارگاہِ ولایت ہوگئی۔ بیوی نے اپنے قصور کی معافی چاہی حضرت قطب رائچور نے ارشاد فرمایا کہ ان تمام دانتوں کو منھ میں رکھ لے۔ رکھتے ہی منھ میں ہر دانت اپنی اپنی جگہ جم گیا۔ (مرآۃ الحقیقت)

:تبلیغ اسلام:

حضرت قطب رائچور سید شاہ احمد شمس عالم حسینی قدس سرہٗ سرزمین رائچور پر داعیٔ اسلام کی حیثیت سے تشریف لائے وہ شہنشاہِ وقت اور اس کی بیوی کلمۂ طیبہ پڑھ کر دونوں مسلمان ہو جاتے ہیں اور حضور والا اُن دونوں کو مشرف بہ اسلام کر لینے کے بعد حلقۂ ارادت و بیعت میں داخل فرما لیتے ہیں۔ اب کیا تھا، آپ کی کرامات کی شہرت چاروں طرف ہونے لگی اور لوگ جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ چند سالوں کے بعد رائچور اور اس کے آس پاس کے کئی مقامات مسلمانوں سے بھر گئے۔ اس وقت رائچور اور اس کے اطراف جو مسلم آبادی نظر آتی ہے ان میں سے اکثر کے آباؤ اجداد آپ ہی کے ہاتھ پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔

:وفاتِ اقدس:

آپ نے اپنے لیے تجرّد کی زندگی پسند فرمائی آپ نے شادی نہیں کی اس لیے قرب وصال اپنے

حقیقی بھتیجے حضرت سید شاہ علی حسینی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا جانشین مقرر فرما کر چون ۵۴ سال کی عمر شریف میں ۱۵ر صفر المظفر ۸۹۲ھ میں وفات پائی۔ (مرآۃ الحقیقت)

:رائچور کی سجادگی

یہ بات مسلمہ ہے کہ حضرت قطب رائچوری قدس سرہٗ نے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اپنے بھتیجے حضرت سید شاہ علی حسینی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ آپ پہلے سجادہ نشین مقرر ہوئے، رائچور کے سجادوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ آستانہ عالیہ شمسیہ اشرفیہ کا ہر سجادہ اپنے وقت کا کامل ولی رہا ہے یا کم از کم نہایت متقی، پرہیزگار جید عالم دین ضرور رہا ہے۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی تک وہاں کے معمر لوگوں نے چار یا تین سجادوں کو تو ضرور دیکھا ہے کہ ہر سجادہ کے اندر کیسی کیسی خصوصیات رہی ہیں۔ ہم تمام سجادگانِ آستانہ مبارکہ کے حالات پر بحث نہیں کرنا چاہتے خاص طور پر تیرہویں اور پندرہویں سجادہ نشینوں سے بحث کی جارہی ہے۔

:قوالی کی ممانعت

حضرت قطب رائچوری قدس سرہٗ نے اپنی زندگی پاک ہی میں اپنے بعد تا قیامت اپنے آستانہ مبارکہ میں سماع کی ممانعت فرمادی تھی۔ چنانچہ ہر سجادہ اس پر نہایت سختی سے عامل رہا ہے اور آج بھی حدود آستانہ عالیہ شمسیہ اشرفیہ میں قوالی نہیں ہوتی اور انشاء المولیٰ تعالیٰ تا قیامت حدودِ درگاہ میں قوالی نہیں ہوگی۔

:تیرھویں سجادہ نشین

موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی چیف ایڈیٹر ماہنامہ سنی آواز ناگپور کے حقیقی دادا اور تیرہویں سجادہ نشین جو حضرت قطب رائچوری کے ہم نام بھی ہیں، یعنی حضرت علامہ السید الشاہ شمس عالم حسینی علیہ الرحمہ اپنے وقت کی اعلیٰ درسگاہ جامعہ شمس الامراء حیدرآباد کے فارغ علما میں سے تھے، آپ اپنے وقت کے جید عالم و فاضل فرائض و واجبات و سنن و مستحبات پر نہایت سختی سے پابند رہنے والے کامل بزرگ اور عابدِ شب زندہ دار تھے۔

:تحریک وہابیت کے خلاف آپ کا کردار

آپ نے تحریکِ وہابیت کے خلاف نمایاں کردار انجام دیا، جب مولوی اسماعیل دہلوی کی جانب سے اٹھائی ہوئی وہابی تحریک انگریز حکومت کے سہارے ملکِ ہند میں پھیلائی گئی تو اس نے شمال سے نکل کر دکن میں بھی اچھا خاصا اثر جمالیا۔ ہر شہر، ہر آبادی، بلکہ ہر گھر میں وہابیت کے فتنے کی وجہ سے جھگڑے ہونے لگے۔ آپ نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے عوام اہل سنت کو اس فتنے میں شامل ہوکر بہکنے والوں کو بچانے کی پوری پوری کوشش فرمائی اور تحریکِ وہابیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ کئی خاندانوں کو وہابی ہونے سے بچالیا۔ دکن میں آپ کا اسم گرامی تحریکِ وہابیت کے خلاف کام کرنے والوں میں سرفہرست ہے مگر تحریکِ وہابیت کے خلاف کام کرنے والے اتنے بڑے مجاہد کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔

:اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ سے ایک صدی پیشتر سے وابستگی:

آپ سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد اسلام امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے ہمعصر تھے، اور امام احمد رضا کی دینی وتجدیدی خدمات شہرۂ آفاق بن چکی تھی۔ جو شخصیت تحریکِ وہابیت کے خلاف زور دار جہاد چلا رہی ہو، وہ اعلیٰ حضرت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ سے وابستہ نہ ہو، ایسا نہیں ہوسکتا، وابستگی یقینیات میں سے تھی۔ آپ کے مجدد اسلام سے تعلقات بہت قریبی تھے، اور دکن میں مجدد اسلام امام احمد رضا کی تحریک کو آگے بڑھانے والے پہلے عالم دین تھے۔

:آپ کی تاریخی وصیت:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ سے قریبی تعلقات اور آپ کی تجدیدی خدمات سے لگاؤ کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ۱۳۳۵ھ میں اپنی اولاد کے لیے فارسی میں وصیت فرمائی ہے، تیرہویں وصیت کا خلاصہ یہ ہے۔

> ”موجودہ زمانے میں عقائد اسلامیہ کی حفاظت ایک بہت بڑا مسئلہ بن گئی ہے۔ اس لیے کہ وہابی غیر مقلد اور وہابی مقلد تحریک نے پورے ملک کو گھیر لیا ہے اور اس کے علاوہ دین اسلام اور عقائد اسلامیہ کے خلاف نئی نئی تحریکیں اٹھ رہی ہیں، اس لیے میری اولاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کو اپنا پیشوا اور رہنما تسلیم کریں۔ اس لیے کہ آپ اس صدی کے باجماع امت مجدد ہیں اور آپ کی کتب پر عمل اور یقین ضروری ہے۔ صحیح عقائد اسلامیہ کا علم موجودہ دور میں آپ کی کتب کے بغیر ممکن نہیں ہے میری اولاد حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کو اپنا مذہبی رہنما جانے آپ کی کتب خاص طور پر، ”المعتمد المستند اور الدولۃ المکیہ، حسام الحرمین، تمہید ایمان، خالص الاعتقاد وغیرہ کو حق جانے ورنہ کفر و ارتداد و گمراہیت کے دلدل میں پھنس کر دین و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھوگے،۔۔۔ وغیرہ وغیرہ......“

یہ وصیت فرمانے کے بعد آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے دو سال پہلے ۱۳۳۸ھ میں انتقال فرماگئے۔ زندگی بھر آپ نے مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت وصیانت اور بدمذہبیت کے رد وابطال میں کافی کام کیا۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید احمد حسینی صاحب مرحوم سجادہ ہوئے، آپ نے بھی ۱۳۵۲ھ میں وفات پائی۔

:رائچور میں احقاق حق وابطال باطل کے تاریخی دور کا آغاز:

حضرت سید احمد حسینی صاحب مرحوم کو اولادِ نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے چھوٹے بھائی اور مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی کے والد ماجد حضرت شیخ المشائخ علامہ مولینا سید شاہ چندا حسینی اشرفی المتخلص بہ صوفی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خاندانی اور دینی وصایا کی بنیاد پر ۱۳۵۲ھ میں اپنے برادر اکبر حضرت سید

احمد حسینی مرحوم کے بعد سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ آپ علاقۂ دکن میں فارسی و عربی کے ساتھ انگریزی میں بھی ماہر تھے، اپنے زمانے میں فقہ و تفسیر و حدیث، اصول و عقائد وغیرہ علوم کے بہت بڑے ماہر عالم و فاضل تھے، گھر میں اور باہر ہر طرف اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے ذکر کو سنتے رہنا معمولات زندگی میں سے تھا اس لیے کہ آپ کے والد ماجد کی آخری وصیت اور امام بریلوی کی کتب نے آپ کی محبت و الفت کو جاں گزیں کر دیا تھا۔ آپ کی کتب کو دل و جاں سے، سینے سے لگائے رکھنا اور ان کا مطالعہ خاص مشغلہ تھا۔ بچپن ہی سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے عقیدت و محبت دل میں بیٹھ چکی تھی۔ مسند سجادگی پر فائز ہوتے ہی مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا کام تیزی سے شروع کیا، جس کی وجہ سے گمراہ و باطل پرستوں کے دل دہل اٹھے بالخصوص اس علاقے کے گمراہ بد مذہب مشائخ و پیر کہلانے والے صرف مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت اور تصلب فی الدین کی وجہ سے دشمنی اور حسد کرنے لگے۔ اسی وجہ سے ہر طرف سے آپ کے خلاف خطرناک سازشیں کی جانے لگیں، آپ پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی لیکن آپ نے اس کی پرواہ نہ کی۔ آپ کے علم اور تصلب فی الدین کا شہرہ ہر طرف ہو چکا تھا، علما کرام کا کہنا تھا کہ حضرت صاحب سجادہ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہر کتاب کو اپنے اندر محفوظ کر لیا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ کتب فقہ و عقائد و کلام و تصوف کے ساتھ مجدد اسلام اعلیٰ حضرت کی کتب کو مع صفحہ و سطر کے صرف نقش ہی نہیں کر لیا تھا بلکہ ہر کتاب پر موزوں برجستہ حاشیہ آپ کے خدا داد علم اور تصلب کو ظاہر کرتا ہے۔

آج آپ کا کتب خانہ علم فقہ و اصول و عقائد و تفسیر اور تصوف وغیرہ علوم میں یعنی فارسی اور عربی میں سب سے بڑا کتب خانہ ہے اور ہر کتاب پر آپ کے حواشی موجود ہیں۔ بڑے بڑے علما کرام جزئیات و حوالے ٹٹول ٹٹول کر چھان بین کر کے نکال لیا کرتے تھے تو حضرت شیخ المشائخ رحمۃ اللہ علیہ زبانی بتا دیا کرتے تھے آپ کے بتانے پر جب علما تلاش کرتے وہ مسئلہ و حوالہ وہیں ملتا۔ آپ کو اعلیٰ حضرت مجدد اسلام امام بریلوی قدس سرہٗ سے اس قدر عشق تھا کہ قرب وصال بعض بعض عبارات اور اشعار پر گھنٹوں روتے رہتے اور آپ پر وجد کا عالم طاری رہتا۔ آپ نے جہاں وہابیوں، دیوبندیوں، قادیانیوں، نیچریوں، صلح کلیوں کے گمراہ و کفریہ عقائد کے رد و ابطال میں کام کیا ہے وہیں آپ نے گمراہ مشائخ و سادات کے گمراہ عقائد کے خلاف بھی کام کیا ہے، اسی وجہ سے ان گمراہوں و بدمذہبوں کے ساتھ گمراہ مشائخ و سادات بھی آپ کے دشمن نظر آتے ہیں۔ ان کی جانب سے جو ظلم و ستم ڈھائے گئے اور اتہام و بہتان طرازی کی گئی ان کی بہت بڑی دردناک داستان ہے ان کی تفصیل سے کچھ حاصل نہیں۔

آپ کی اپنی اولاد کے لیے وصیت:

عمر شریف کے آخری دور میں آپ کو سوائے اعلیٰ حضرت اور حضور مفتئ اعظم ہند رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے اشعار سننے اور ان کی توضیح و تشریح بیان کرنے اور ان پر رقتِ قلبی کے ساتھ گھنٹوں روتے رہنے کے اور کوئی مشغلہ نہ تھا۔ آخر عمر میں لاغر اور کمزور ہو گئے تھے۔ اسی حالت میں خبر آئی کہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتئ اعظم ہند انتقال فرما گئے۔ بس اس کے بعد مسلسل روتے رہنے اور آنے والے دور میں سینوں کی

ابتلا و آزمائش کرتے رہنے میں اپنے اوقات گزار دیئے۔ اکثر فرماتے تھے کہ ایک ذات پورے سنیت کے شیرازے مضبوط رسی سے باندھے رکھی تھی اب وہ رسی ٹوٹ گئی، اب سنیت کا شیرازہ بکھر جائے گا، اب مسلک کے خلاف بغاوت پھیلے گی، سب سے پہلے گمراہ سادات و مشائخ کی جانب سے مسلک اعلیٰ حضرت کو کمزور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ میں نے اپنے بعد ہر فتنے کے رد میں بہت کچھ لکھ دیا ہے میری اولاد علم وعقل سے ہر فتنے کا رد و ابطال کرتی رہی۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ آپ کے بڑے صاحبزادے موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی نے ماہنامہ ''سنی آواز'' ناگپور جاری کر کے کس طرح سے سادات و مشائخ کی جانب سے پھیلائی گئی گمراہیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف برپا کی گئی شورش پر بند باندھا۔ آپ کا جہاد کام کر گیا اور قلمی سرمایے نے مسلک اعلیٰ حضرت کو نئی جلا بخشی اس پر پورا ملک گواہ ہے۔ اب آپ کی وصیت ملاحظہ فرمایئے۔

''میری اولاد تا قیامت اخلاق حسنہ کی حامل رہے، اور فساق و فجار کفار و مشرکین و مرتدین اور تمام بد مذہبوں سے قلبی نفرت رکھے اور ان کی صحبت سے بچے، میرے بعد آستانہ عالیہ شمسیہ اشرفیہ رائچور کا سجادہ نشین وہی ہوگا جو عالم دین ہوگا یا کم سے کم اتنا علم رکھے گا جس سے ضروریات دینیہ کو جانے او مسائل ضروری کو پہچانے اور خاص طور پر مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کرے۔ اور آپ کی تصنیفات کو حق جانے بالخصوص تمہید ایمان، حسام الحرمین، خالص الاعتقاد، الدولۃ المکیہ، الکوکبۃ الشہابیہ، کوحق اور صحیح تسلیم کرے، اس کے ساتھ اکثر خانقاہوں میں رفض اور شیعیت عام ہو چکی ہے اس لیے اعلیٰ حضرت کی کتاب ردُ الرفضہ، اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ کو حق جانے اور ان کے ساتھ میری کتب مرأۃ مباحیت، اشرف الاخلاق، شمس العقائد، الاخلاق المرضیہ، پر بھی عمل ضروری ہوگا۔ اگر وہ عالم نہ ہو تو کم سے کم فارسی اور اردو کا اچھی طرح سے جاننے والا ہوگا اور بہار شریعت کے کم سے کم ۶ حصے خوب سمجھ کر پڑھنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہوگا ورنہ میری بیعت عاق سمجھی جائے گی۔''

مذکورہ ان دفعات کو رجسٹر کروا کر محفوظ کروالیا ہے تا کہ آئندہ کوئی فتنہ نہ اٹھے۔

آپ کی تصنیفات اور انتقال:

حضرت علامہ شیخ المشائخ سید چندا حسینی رحمۃ اللہ علیہ، فنافی الرسول فنافی الاولیا اور فدائے اعلیٰ حضرت ہوکر حضور مفتیٔ اعظم ہند رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی وفات کا صدمہ برداشت نہ کر سکے۔ آخر کار آپ کے انتقال کے چھ ماہ بعد ۲۸ر جمادی الاخری ۱۴۰۲ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ نے بعد وصال ۶ صاحبزادے (۱) فرزند اکبر مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی سجادہ نشین آستانہ عالیہ شمسیہ اشرفیہ رائچور، (۲) حضرت سید سلیم میاں صاحب اشرفی، (۳) مولانا سید محمد صفی میاں اشرفی، (۴) مولانا سید اشرف رضا۔ باقی صفحہ

اعلیٰ حضرت کے ایک شعر کی صحیح ترجمانی

حضور احسن العلماء کی زبانی

شارح: حضور احسن العلماء سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ
مرتبہ: محمد نعیم برکاتی بن محمد سالار کپتھال، ہبلی (کرناٹک)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم. اما بعد

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سلّم کہنے والے غم زدہ کا ساتھ ہو

حافظ مفتی احمد میاں برکاتی نقل فرماتے ہیں کہ حضور احسن العلماء کو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے اتنی محبت تھی کہ آپ ہمیشہ اپنی تقریر و تدریس، خلوت و جلوت میں جب اعلیٰ حضرت کا ذکر فرماتے تو "میرے اعلیٰ حضرت" کہتے ...... اور فرماتے کہ "میاں! اعلیٰ حضرت کا کلام پڑھنا کوئی کھیل نہیں ہے، اسے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے علم چاہیے۔"

غالباً ۱۹۷۰ء کی بات ہے، جب آپ پاکستان تشریف لائے، ان دنوں راقم الحروف (مفتی احمد میاں برکاتی) دارالعلوم امجدیہ کراچی میں زیر تعلیم تھا، تو تقریباً ہر روز ہی حضرت کی زیارت کا موقعہ ملتا رہا ...... آپ نے جمعہ کی نماز حضرت استاذی علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی قادری رضوی برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر اخوند مسجد، کھارادر میں پڑھائی۔ حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ ان دنوں اخوند مسجد میں خطیب و امام تھے۔ جمعہ کے بعد حضرت قاری صاحب قبلہ قدس سرہٗ نے دعا فرمائی اور مناجات میں اعلیٰ حضرت کا یہ شعر بھی پڑھا۔

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سلّم کہنے والے غم زدہ کا ساتھ ہو

حضرت قاری صاحب نے لفظ غم زدہ میں زاء پر زبر پڑھا ...... حضرت احسن العلماء سید حسن میاں صاحب قدس سرہٗ کے ساتھ نجی محفل میں جب فقیر بیٹھا، تو آپ نے فرمایا "احمد میاں" اعلیٰ حضرت کے اس شعر میں جو قبلہ قاری صاحب نے آج پڑھا، زاء پر پیش ہے، زبر نہیں ...... اس لیے کہ زبر کے ساتھ معنی ہیں "غموں کا مارا ہوا" ...... جب نبی خود غم کے مارے ہوں گے تو فریاد رسی کیسے فرمائیں گے ......؟ زبر کے ساتھ غم زَدہ "زدن" سے بنے گا جب کہ پیش کے ساتھ غم زُدہ "زدون" سے ہوگا، جس کے معنی ہیں "صاف کیا ہوا، قلعی کیا ہوا" جو شانِ مصطفےٰ کے عین مطابق ہے ...... پھر فرمایا: میاں یہ وہ اسرار ہیں جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہیں ...... آپ قبلہ قاری صاحب سے عرض کر دیجیے گا ...... فقیر نے دوسرے دن، سبق پڑھتے ہوئے حضرت قاری صاحب سے گفتگو عرض کی، تو آپ نہایت خوش ہوئے اور اس بات کو کئی

جگہ بیان فرمایا۔ چنانچہ اسی کا اثر ہے کہ آج حضرت اُستاذی قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور تمام مریدین اس کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔۔۔۔۔۔اس طرح حضور احسن العلماء کا فیض، کلام رضا کی شرح میں عوام تک پہنچا۔ (مجلہ 'اہل سنت کی آواز' جلد ۴ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ ۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء ص ۲۶۷)

سبحان اللہ!۔۔۔۔۔۔اصلاح کا بھی کیا خوب اور کیا نرالہ انداز ہے کہ قبلہ قاری صاحب کو اسی جگہ اُسی وقت نہیں ٹوکا کہ جس سے جمعہ کے بھرے مجمع میں اُن کی رسوائی ہو۔ بلکہ جمعہ کے بعد ایک علیحدہ محفل میں اس کی اصلاح فرمادی، اور پھر قاری صاحب سے عرض کردینے کے لیے کہا۔

٨٨٨٨٨٨٨٨٨٨٨٨

تصحیح نامہ

(افکار رضا کے سابقہ شمارہ جلد ۷ شمارہ ۴ (۲۶) ماہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء کے شمارے میں محمد نعیم برکاتی صاحب کے مضمون "اعلیٰ حضرت کے ایک شعر کی صحیح ترجمانی" صفحہ نمبر ۳۰ پر تین جگہ (یعنی سطر نمبر ۴، ۱۲ اور ۱۴ میں) حضرت جنید بغدادی کی جگہ حضرت شیخ بایزید بسطامی تحریر فرمالیں۔)

۹۹۹۹۹۹۹۹۹۹

بقیہ: وسیع الصفات عالم اہل سنت علامہ ارشد القادری:

مگر اس طرف کسی بھی تنظیم نے توجہ نہیں دی۔ ہاں رضا اکیڈمی نے عمومی خدمات کی بنیاد پر ضرور ایوارڈ سے نوازا، کاش زلزلہ ہی کو بنیاد بنایا گیا ہوتا۔ خیر اب ضرورت اس بات کی ہے کہ "زلزلہ" کو مکمل اور جزوی طور پر برابر شائع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں یہ کتاب پہنچے۔

دعوت اسلامی:

دعوت اسلامی، جس نے دنیائے اصلاح میں تہلکہ مچا رکھا ہے اس کے آغاز سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ علامہ ارشد القادری جو ہر نہج سے اہلسنت کو فعال و متحرک رکھنا چاہتے تھے۔ وہی اس تحریک کے محرک ہیں۔ کراچی میں دارالعلوم امجدیہ میں اس کی سربراہی کا تاج حضرت مولانا محمد الیاس قادری صاحب کے سر آپ نے ہی رکھا۔ علامہ کا یہ کارنامہ بھی آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ میرے علم میں اہل سنت کو اس تنظیم سے بھرپور فائدہ ہو رہا ہے گو مخالفت بھی ہوئی مگر مخالف آج تک اس کے خلاف کوئی مضبوط دلیل پیش نہ کرسکے۔ موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بعض دیوبندی بھی اس کے خلاف بنام اہل سنت پوسٹر بازی کرتے رہتے ہیں مگر یہ بازاری باتیں ہوئیں ان پر مسلمانوں کو ہرگز توجہ نہیں دینا چاہیے۔

بعض پیروں اور مقرروں کا اس سے خائف ہونا اور مخالفت کرنا کوئی حیرت کی بات نہیں۔ حاسدین ہر دور میں رہے ہیں اور ہر بڑھتی ہوئی عزت کا انہوں نے تعاقب کیا ہے۔ ہاں یہ ضرور حیرت کی بات ہے کہ بغیر تحقیق و تلاش کے کوئی بھیانک الزام لگایا جائے اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جو نہ کام کریں اور نہ کرنے دیں۔

☆=☆=☆=☆=☆

عطاءِ خواجہ مولانا الحاج سید احمد علی رضوی چشتی اجمیری

گدّی نشین آستانہ عالیہ غریب نواز علیہ الرحمہ رضوی گلی اجمیر شریف

از: حاجی سید فرقان علی رضوی چشتی، خلیفۂ سرکار مفتی اعظم ہند
خانقاہ رضویہ، درگاہ شریف اجمیر

ولادتِ باسعادت: پیر طریقت حضرت مولانا الحاج سید احمد علی رضوی چشتی کی ولادت باسعادت ۱۵ر اپریل ۱۹۳۲ء بمقام اجمیر مقدس ہوئی۔ بچپن ہی کے زمانے میں والدہ ماجدہ داغ مفارقت دیکر رخصت ہوگئیں۔ حضرت قبلہ مولانا سید احمد علی رضوی کی پرورش ان کی ہمشیرہ محترمہ اور ان کے والد بزرگوار الحاج مولانا سید حسین علی رضوی نے کی۔ سید صاحب قبلہ کی پیدائش کے وقت ان کے والد بزرگوار عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ سید صاحب قبلہ کی والدہ محترمہ مولانا سید حسین علی رضوی کی تیسری شریکِ حیات تھیں۔ سید صاحب قبلہ کی سوتیلی ماں یعنی مولانا سید حسین علی رضوی کی چوتھی شریکِ حیات آمنہ بی بی کے ہاتھوں پرورش پائی جس نے سوتیلے پن وظلم وستم کے ساتھ سید صاحب قبلہ کی پرورش کی اور اتنے زدوکوب دیئے کہ آپ سید صاحب قبلہ پریشان ہوکر اپنے گھر سے دور اندر کوٹ نامی جگہ چلے گئے وہاں آپ کی پرورش ہوئی۔

خاندانی حالات: مولانا الحاج سید احمد علی رضوی گردیزی سید ہیں ان کا شجرۂ نسب مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد مولانا سید حسین علی رضوی کے والد کا سایۂ شفقت بھی بچپن میں قریب چودہ ۱۴ سال کی عمر میں اُٹھ گیا تھا۔ حضرت مولانا سید حسین علی رضوی صاحب موضع بیر ضلع اجمیر مقدس کے جاگیردار تھے۔ یہ جاگیر ان کو اپنے نانا سے وراثت میں ملی تھی۔ چونکہ مولانا سید حسین علی رضوی اپنے نانا کے اکلوتے نواسے تھے اور نواب صاحب ریاست جاوڑہ محمد غفور خاں صاحب بہادر جاوڑہ کا سید صاحب کے دادا سے سلسلہ حاضری دربار خواجہ میں قائم ہوا تھا۔ ان کے بعد نواب غوث محمد خاں صاحب سریر آرائے مملکت جاوڑہ ہوئے۔ انہوں نے کئی بار سید صاحب موصوف کے دادا کے ذریعہ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں حاضری دی اور مورخہ ۲ر جولائی ۱۸۴۲ء کو سند وکالت مرحمت فرمائی اور چالیس سال یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ان کے بعد نواب محمد اسماعیل خاں صاحب بہادر تخت نشین ہوئے۔ اس طرح تیس ۳۰ سال آپ نے سید صاحب قبلہ کے والد بزرگوار حضرت مولانا سید حسین علی رضوی کی معرفت حاضری دربار خواجہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے بعد نواب محمد افتخار علی خانصاحب بہادر والئ جاوڑہ ۱۹۰۶ء میں سلطنت پر رونق افروز ہوئے اور آپ بھی سید صاحب قبلہ کے والد محترم مولانا سید حسین علی رضوی کے توسل سے چار مرتبہ حاضرِ دربار

ہوئے۔ بار اول مئی ۱۹۱۵ء بار دوم ۱۰؍ستمبر ۱۹۱۸ء بار سوم ۸؍دسمبر ۱۹۲۱ء بسلسلۂ نکاح و بار چہارم ۲۸؍ اپریل ۱۹۳۶ء میں۔ نواب صاحب ریاست جاوڑہ مولانا سید حسین علی رضوی صاحب کو اپنا وکیل دعا گو مانتے تھے اور ان کی اچھی قدر و منزلت کرتے تھے قیمتی تحائف اور نذورات پیش کرتے تھے۔ اور سال میں ایک بار اپنی ریاست میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے دعوت دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ نواب صاحب والیٔ جاوڑہ نے سید صاحب کو ایک ہاتھی بھی نذر کیا جو ایک عجیب قسم کا تحفہ تھا اس بنا پر لوگ عوام انہیں وکیل جاوڑہ کہنے لگے۔

حضرت قبلہ سید صاحب کے والد مولانا سید حسین علی رضوی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے نیز امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے سلسلہ چشتیہ میں آپ کو اجازت و خلافت سے بھی نوازا تھا۔

تسمیہ خوانی : جب مولانا الحاج سید احمد علی رضوی چشتی کی عمر ۴ سال کی ہوئی تو والد بزرگوار نے بسم اللہ خوانی کی تقریب منعقد کرائی۔ اور حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں صاحب بریلوی کو دعوت دی۔ حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے شرکت بھی فرمائی اور سید صاحب قبلہ کی رسم بسم اللہ بھی ادا کی اور بے شمار دعاؤں سے نوازا۔

تعلیم و تربیت: حضرت مولانا الحاج سید احمد علی رضوی نے ابتدائی تعلیم سے لے کر فراغت تک ایک ہی مدرسہ 'دارالعلوم معینیہ عثمانیہ' درگاہ معلیٰ اجمیر مقدس جو کہ اُس زمانے میں ہندوستان بھر میں ایک اعلیٰ مقام اور مرکزی اداروں میں جانا جاتا تھا اور اس ادارہ میں جیّد عالم دین ہی درس دیا کرتے تھے۔ اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ اور گھر میں اپنے بڑے بھائی مولانا سید محمد علی ازہری جو کہ مولانا امجد علی اعظمی خلیفۂ اعلیٰ حضرت مصنف بہار شریعت کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالمصطفےٰ ازہری کے ساتھ ہی جامعہ ازہر مصر سے فارغ ہوکر آئے تھے ان سے گھر میں درس لیا کرتے تھے۔ ۳؍رجب المرجب ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۴؍مئی میں دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر میں سند فراغت سے سرفراز کیے گئے۔

اساتذہ کرام :- (۱) صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی (۲) حضرت مولانا غلام معین الدین (۳) حضرت مولانا محمد شریف (۴) حضرت مولانا مولوی نصیر احمد (۵) حضرت مولانا عبدالباری معنی (۶) حضرت مولانا خیرات الحسن (۷) حضرت مولانا محمد علی الازہری۔

امتحانات : حضرت مولانا الحاج سید احمد علی رضوی چشتی صاحب نے الٰہ آباد بورڈ و جامعہ اُردو علی گڑھ سے کئی امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۴۷ء میں مولوی ۱۹۴۸ء میں ادیب کامل ۱۹۵۰ء میں منشی اور خوشنویسی کے امتحانات درجۂ امتیاز سے حاصل کیے۔

القاب: حضرت مولانا الحاج سید احمد علی رضوی چشتی صاحب کو بچپن سے ہی لوگ "مولوی صاحب" کے نام سے پکارنے لگے چونکہ آپ کو دینی و مذہبی علوم کا بچپن سے ہی شوق تھا اور آپ سید صاحب ہمیشہ مسئلہ مسائل پر ہی گفتگو کیا کرتے تھے۔ سایۂ پدری اُٹھنے کے بعد عوام نے ان کے والد کا ٹائٹل جو کہ قبلہ

سید صاحب کا وراثتی حق تھا ''وکیل جاوڑہ'' کے نام سے ان کو پکارنے لگے۔ اس کے کچھ وقت گزرنے کے بعد اجمیر شریف میں بیباک اور بے خوف رضویت کے جھنڈے گاڑنے کی بنا پر لوگ آج تک سید صاحب قبلہ کو ''رضوی صاحب'' کے نام سے جانتے ہیں۔

خدمات: (الف) مولانا الحاج سید احمد علی رضوی چشتی نے جب یہ محسوس کیا کہ اجمیر شریف جیسی مقدس و مرکزی جگہ پر کوئی لائبریری نہیں ہے اور علم کی روشنی سے لوگ محروم ہوکر اندھیرے کی جانب راغب ہو رہے ہیں اور گمراہیت بڑھتی جارہی ہے لوگوں کا اخلاقی معیار گرتا جارہا ہے اجمیر شریف میں ہر طرف تاریکی چھارہی ہے۔ تو آپ نے بنا کسی کی پرواہ کئے اندرون درگاہ شریف میں ایک حجرہ جس کا نمبر ۹۳ ہے جو کہ حضرت سید صاحب کو اپنے نانا سے ملا تھا۔ اس حجرہ کو لائبریری کے لیے مقرر کردیا جس کو قادری چشتی رضوی دارالمطالعہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ حضرت قبلہ نے یہ دارالمطالعہ ۱۹۷۹ء میں حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے ہاتھوں قائم کیا تھا۔ جس سے آج لاکھوں زائرین اور مقامی علم دین کے شائقین حضرات مستفیض ہو رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ مستفیض ہوتے رہیں گے۔ اس قادری چشتی رضوی دارالمطالعہ میں آج تقریباً ڈھائی ہزار سے زاید کتب و رسائل موجود ہیں۔ متذکرہ دارالمطالعہ کو قائم کرنے میں قبلہ مولانا سید احمد علی رضوی صاحب کو بہت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ناظم درگاہ کمیٹی نے تعصب کی بنا پر حجرہ خالی کرنے کا مقدمہ بھی دائر کردیا۔ اور طرح طرح کی دشواریاں آتی گئیں مگر حضرت قبلہ سید صاحب نے جم کر مقابلہ کیا، اپنی ہمت نہیں ہاری۔ وہ مقدمہ آج بھی چل رہا ہے۔ عام طور سے سنی مجالس وغیرہ اور علمائے اہل سنت کی تقاریر بھی اس موجودہ دارالمطالعہ میں ہوتی رہتی ہیں۔

(ب) یتیم خانہ میں آپ کا کردار:- اجمیر شریف میں ایک قدیمی یتیم خانہ تھا جو بدنیت اور بدعقیدہ لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ شہر اجمیر کے ہمدرد مسلمانوں نے جب یتیم خانہ کو بالکل تباہ اور برباد ہوتے دیکھا اور یتیم خانہ کے بچوں کو بھکاریوں کی طرح سرراہ بھیک مانگتے دیکھا اور یتیم خانے کے بجٹ کو بالکل خالی دیکھا تو ملت کا درد رکھنے والے افراد نے مولانا سید احمد علی رضوی چشتی کو اس ادارے کا رکن بننے پر مجبور کیا اور حضرت قبلہ مولانا سید احمد علی رضوی صاحب کی خدمت دیکھ کر کچھ عرصہ بعد ہی آپ کو یتیم خانے کا جبراً صدر منتخب کردیا گیا۔ جس وقت حضرت قبلہ سید صاحب صدر منتخب ہوئے اس وقت یتیم خانہ کی بہت بری حالت تھی۔ مذکورہ یتیم خانہ کئی ہزار روپے کا مقروض ہو چکا تھا۔ مولانا الحاج سید احمد علی رضوی نے اپنے جانی و مالی تعاون سے اس یتیم خانہ کو روز افزوں ترقی بخشی اور اپنے حلقۂ احباب و اقارب و معتقدین کو یتیم خانہ کی طرف توجہ دلاکر اس ادارہ کا تعاون کیا۔ کئی لاکھ روپے کا بجٹ یتیم خانے کے نام بینک میں جمع کرالیا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اس یتیم خانے کا لاکھوں کا بجٹ دیکھ کر کچھ شرپسند اور حریف لالچ میں آگئے اور موقع کی تلاش میں رہنے لگے۔ جب سید صاحب قبلہ کی طبیعت علیل ہوئی، موقع پاتے ہی اس ادارہ میں گھس گئے۔ اور ادارہ یتیم خانے کو برباد کرنے میں کوشاں رہے۔ اسی بنا پر مولانا الحاج سید احمد علی رضوی نے یتیم خانے کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور اس ادارہ سے بری الذمہ ہوگئے۔ آٹھ

سال تک یتیم خانہ کے عروج کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کر ڈالا مگر ان لالچیوں نے سید صاحب قبلہ کی علالت کا فائدہ اٹھایا۔ جب تک مولانا الحاج سید احمد علی رضوی چشتی صاحب اس ادارہ یتیم خانہ کے صدر رہے اس وقت تک یتیم خانہ عروج کے منازل طے کرتا گیا اور حضرت قبلہ جب اس ادارہ سے مستعفی ہوئے یہ ادارہ تنزلی کی صورت اختیار کر گیا۔

(ج) اصلاحی کمیٹی:- چونکہ اجمیر مقدس میں خاص کر آستانہ شریف پر ہر قوم و ملت خاص طور سے وہابی، دیوبندی اور شیعہ وغیرہ آتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ زائرین خواجہ کو اپنا مسلک بتاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ زائرین ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان کے اثر کو قبول کر کے واپس جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے نئے نئے حربے استعمال کرتے ہیں اور گمراہیت پھیلاتے رہتے ہیں۔ ان سب وجوہات کی بنا پر مولانا الحاج سید احمد علی رضوی صاحب نے ایک کمیٹی بنام "اصلاحی کمیٹی" تشکیل دی جس میں سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی سرپرستی و علامہ اختر رضا خاں ازہری صاحب و علامہ مولانا ارشد القادری صاحب قبلہ جیسے اکابرین کو پیش پیش رکھا تا کہ جو مفاد پرست غیر قومیں اپنا جال پھیلا کر آنے والے بھولے بھالے عاشقانِ خواجہ کو گمراہ کر رہی ہیں۔ ان کا علمی اور اصلاحی ہر طریقہ سے ڈٹ کر مقابلہ کیا جا سکے۔ ان کے مکروفریب کا پردہ چاک کیا جا سکے۔ مذہب اہل سنت و جماعت و مسلک اعلیٰ حضرت کی خوب سے خوب تر اشاعت کی جا سکے۔

بعد میں مولانا الحاج سید احمد علی رضوی ایک مدرسہ کے قیام کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ جس کے لیے اپنے دولت خانے کی سہ منزلہ عمارت جو اعلیٰ حضرت منزل کے نام سے موسوم ہے اس کو بھی وقف کر دیا۔ چونکہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ تنزلی کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اور اس کا سارا اسٹاف بدعقیدہ لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ ناظم مدرسہ بھی بد مذہب ہے اور مدرسین بھی اس کے ہم خیال ہیں۔ موجودہ مدرسہ میں کوئی سہولت طلبہ کے لیے قیام و طعام کی نہیں ہے لیکن افسوس کہ سید صاحب قبلہ کا ہاتھ کسی عالم نے نہیں بٹایا۔ جس کی وجہ سے مدرسہ کے قیام کو ابھی تک عملی جامہ نہیں پہنا سکے۔ اجمیر شریف میں مدرسہ کی بہت شدید ضرورت ہے علما اس بات پر توجہ فرمائیں۔

(ح) اجمیر مقدس میں تمام خدام خواجہ صاحب سیدزادگان کی ایک تنظیم ہے جو کہ رجسٹرڈ باڈی ہے جس کا وقتاً وقتاً انتخاب ہوتا ہے جو کہ اندرون آستانہ عالیہ کا انتظام و خدامِ خواجہ صاحب کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے اور وی آئی پی حضرات کی رہنمائی کر کے تبرک تقسیم کرتی ہے اس کو انجمن معینیہ فخریہ چشتیہ خدام خواجہ صاحب سیدزادگان کے نام سے عوام جانتی ہے۔ مولانا سید احمد علی رضوی چشتی صاحب بھی مذکورہ کمیٹی کے ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۳ء تک رکن رہے اور اپنی قوم کی بھی خدمت انجام دی۔

آپ کا ذریعہ معاش آستانہ عالیہ چشتیہ کی جاروب کشی، معمول آستانہ عالیہ غریب نواز کو اپنے اوقات میں ادا کرنا، صفائی کرنا، زائرین خواجہ کی آسائش کا انتظام کرنا اور ان کی جانب سے غلاف پوشی، گل پوشی و منت مراد ادا کروانا اور خاص طور سے زائرینِ خواجہ کے لیے اور ملک وقوم وملت کی فلاح و بہبودی کے لیے و عالم اسلام کے لیے دعائے خیر کرنا تھا۔ اسی سلسلہ میں حضور سرکار مفتی اعظم ہند بریلوی رحمۃ اللہ

علیہ و اکابر علما کرام نے حضرت قبلہ سید صاحب کے حق میں ایک وکالت نامہ تحریر فرمایا ہے۔ جس کے مفہوم میں اپنے مریدین و معتقدین کو مخلصانہ ہدایت کی ہے کہ وہ جب بھی اجمیر شریف جائیں مولانا سید احمد علی رضوی چشتی کے ذریعہ ہی حاضرِ آستانہ ہوں اور اپنی نذورات و منت انہیں کے ذریعہ ادا کر کے خوشنودئ خواجہ اعظم حاصل کریں۔

رضا منزل اور علما کا قیام: جب بھی سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان اجمیر شریف تشریف لے جاتے تو رضا منزل یا خانقاہِ رضویہ میں اپنے اسلاف کی سنت پر عمل کرتے ہوئے قیام ضرور فرماتے۔ چونکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ بھی اس مذکورہ مکان میں دو مرتبہ قیام فرما چکے تھے اور حضرت سید صاحب قبلہ کے والد محترم مولانا حسین علی رضوی کے ذریعہ ہی حاضرِ آستانہ ہوئے تھے اور ان کو اپنا وکیل دعا گو مانتے تھے۔ اسی بنا پر سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ بھی ہر سال عرسِ خواجہ کے موقع پر متذکرہ خانقاہ میں تا زیست قیام فرماتے رہے اور تب سے آج تک سنّی اکابر علما کرام جب بھی حاضرِ آستانہ ہوتے ہیں تو رضا منزل میں ہی قیام کر کے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اور سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی سنت پر عمل کرتے ہیں۔

بیعت و خلافت: ہر سال ماہِ رجب المرجب ایام عرس حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے موقع پر سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ میرے غریب خانہ "خانقاہِ رضویہ" رضوی گلی قیام فرماتے تھے۔ اب چونکہ یہ بہت ہی برکتوں والا مہینہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس ماہ کو بڑی ہی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے اس لیے مولانا سید احمد علی رضوی مورخہ ۷؍ رجب المرجب ۱۳۹۳ھ میں سرکار مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اور پھر کچھ عرصہ گزارنے کے بعد مرشدِ حق نے ۱۸؍ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ میں اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضور مفتی اعظم ہند نوری علیہ الرحمہ کے بعد مشائخ عظام اور علما کرام نے خلافت عطا فرمائی اور وکالت نامے تحریر فرمائے۔ ۱- محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد علیہ الرحمہ ۲- مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ رئیس اعظم اڑیسہ ۳- مولانا مفتی رجب علی قادری نانپارہ مدظلہ۔

زیارت و حج:- جب جذبۂ عشق کی تپش بڑھ گئی تو دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کیا یکم اگست ۱۹۸۶ء کو حج کا فریضہ انجام دیا۔

عقد مسنون:- مولانا الحاج سید احمد علی رضوی چشتی کا عقد مسنون ۲۸؍ شعبان المعظم ۱۳۷۴ھ مطابق ۲۲؍ اپریل ۱۹۵۵ء کو شہر اجمیر شریف کے ایک سید گھرانے میں ہوا۔ حضرت سید صاحب قبلہ کے اس وقت سات بچے ہیں جن میں چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

حضرت قبلہ مولانا سید احمد علی رضوی چشتی صاحب کا وصال مورخہ ۱۹؍ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸؍ اکتوبر ۲۰۰۰ء بروز چہارشنبہ صبح ۹ بجکر ۴۰ منٹ پر ہوا۔ آپ کا مزار شریف اندرون درگاہ شریف بمقام چار یار عقب مسجد شاہجہانی میں واقع ہے۔ ❁❁❁

اشاعتِ دین۔ چند تجاویز

نتیجۂ فکر: مولانا محمد توفیق احمد نعیمی ناظم المجلس الاسلامی شیش گڑھ بریلی شریف

حضرات! قلم کی اہمیت و افادیت سے کوئی بھی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا، خاص کر اس دور میں قلم کی طاقت بہت بڑی طاقت ہے۔ جس قوم یا جماعت کے پاس یہ طاقت موجود ہے گویا اس کے پاس سب کچھ موجود ہے اور جو اس طاقت سے محروم یا اس طاقت میں کمزور ہے اس کا بین الاقوام میں کوئی مقام نہیں۔

سچ پوچھیے تو یہی وہ طاقت ہے جو بڑے سے بڑے جھوٹ کو سچ ثابت کر دکھانے، رائے عامہ کو ہموار کرنے اور کسی فرد یا جماعت کے خلاف بے بنیاد اور معاندانہ پروپیگنڈہ کر کے اسے خالی الذہن عوام کی نظروں میں داغدار اور مکروہ بنانے میں حیرت انگیز کارنامہ انجام دے سکتی ہے، بلکہ دے رہی ہے۔ تحقیق وتلاش کی کسے فرصت ہے اور ہو بھی تو ہر ایک کے پاس اتنا علم کہاں کہ تحقیق وتلاش کے بعد کسی صحیح نتیجے پر پہنچے۔

بد مذہبوں خاص کر وہابیوں کے پاس پریس اور ذرائع ابلاغ کی بھرپور طاقت موجود ہے اسی کی بدولت انہوں نے اہل سنت و جماعت کے خلاف جابجا طرح طرح کی افواہیں پھیلا رکھی ہیں اور مسلسل پھیلاتی جا رہی ہیں۔ اسی سے کام لیکر انہوں نے ہم کو عوام الناس کی نظروں میں بدعتی، شکم پرور، قبور پرست، فسادی اور نہ جانے کیا کیا بنا دیا ہے۔

افسوس مسلمانوں کا سوادِ اعظم جو مذہب حق کا پاسبان اور کتاب وسنت کا صحیح ترجمان ہے آج ایک عام آدمی کی نگاہ میں ایک غیر شائستہ، جھگڑالو گروہ ہے جو ہر وقت اختلاف کی آگ بھڑکاتا رہتا ہے اور کفر کے میزائل داغتا رہتا ہے۔ آج جو انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ اور ناخواندہ مسلمان، جماعتِ قادیانی، جماعتِ مودودی یا تبلیغی جماعت کا شکار ہو رہے ہیں۔ تو اس کا سبب ان جماعتوں کی مشنری اسپرٹ اور اپنی جماعت کے عقائد ونظریات کو پھیلانے کا پُرجوش جذبہ ہے۔ وہ اپنی محنتوں اور زبردست کوششوں کے ذریعہ روز بروز ترقی کی منزلیں طے کرتے جا رہے ہیں۔...... رونا آتا ہے ہم اہل سنت کو اپنی غفلت و بے پروائی پر کہ وہ جماعت کہ کل جس کا نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیائے اسلام میں طوطی بولتا تھا آج اس کا حال کیا ہو گیا ہے۔ حضرات! خوش فہمی کے میٹھے میٹھے گھونٹ کب تک نگلے جائیں گے ناچار یہ تلخ حقیقت ماننا ہی پڑے گی کہ دن بدن ہمارا دائرہ محدود ہوتا جا رہا ہے اور یہ سب کچھ نتیجہ ہے ہمارے خواب خرگوش کے مزے لینے اور آپس میں الجھنے کا...... مخالفین ہمارے سر پر کھڑے ہو کر کچھ بھی کرتے رہیں ہمیں قطعا کوئی احساس نہیں ہوتا، ہمارے قلم ٹوٹ جاتے ہیں اور جیبیں خالی ہو جاتی ہیں اور اگر آپس میں اختلاف

ہو جائے تو بس مت پوچھیے قلم حرکت میں آجاتے ہیں اور تجوریوں کے منہ کھول دیئے جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے طرفین سے درجنوں کتابیں منظر عام پر آجاتی ہیں اور ان میں وہ زبان استعمال کی جاتی ہے کہ ایک طرف تہذیب اسلامی الامان، الحفیظ کے نعرے لگاتی ہے تو دوسری طرف مخالف یہ پروپیگنڈہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ ''اے لوگو! دیکھ لیا! ہم نے نہیں کہا تھا کہ یہ بریلوی بدتہذیب، جھگڑالو اور فسادی ہوتے ہیں، اس داخلی و خارجہ الیہ کو روکنے کے لیے ہمیں کیا تدابیر اختیار کرنی چاہیے اس بارے میں سوچنا پڑیگا...... ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے سے کام نہیں چلے گا۔ اپنا شیرازہ بکھیرنے میں نقصان ہی نقصان ہے۔ زندہ قومیں' اتحاد و اتفاق، اجتماعی نظم وضبط اور تنظیم و تحریک کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ لہٰذا ہمیں اگر کام کرنا ہے اور اپنا لٹریچر دوسروں تک پہنچانا ہے اور اُسے منوانا ہے تو اس کے لیے مندرجہ چند تجاویز و تدابیر ہیں۔ اگر برادرانِ اہل سنت اپنے اپنے حلقۂ اثر میں ان تجویزوں پر عمل کریں تو انشاء اللہ امید ہے کہ بد مذہبیت کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روکا جاسکتا ہے...... روٹھے ہوؤں کو منایا جاسکتا ہے...... بگڑے ہوؤں کو سنوارا جاسکتا ہے...... گمراہوں کو راستہ دکھایا جاسکتا ہے...... بے خبروں کو خبردار کیا جاسکتا ہے اور تبدریج ایک عظیم انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔ شاید اسی موقع کے لیے کسی نے کہا تھا:

چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی
پلٹ کے آسکتی ہے چمن میں روٹھی بہار اب بھی

تجاویز و تدابیر

(ا) فنڈ: یہ سب سے پہلا اور اہم مسئلہ ہے اور اس کے لیے کئی صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً:

(الف) ایسے بلند ہمت، باذوق افراد کا انتخاب کیا جائے کہ جو ماہانہ سو، پچاس روپے یا سالانہ سو، دوسو، تین سو روپے جمع کرتے رہیں۔ اگر سو ممبران بھی ایسے حاصل ہو جائیں تو اچھی خاصی رقم ہاتھ آتی رہے گی اور یوں گاہ بگاہ متعدد رسائل، پمفلٹ اشاعت پذیر ہوتے رہیں گے۔ مگر اس کام کے لیے زبردست جدوجہد اور مسلسل کارروائی کی ضرورت ہے۔ یقیناً اس راہ میں حوصلہ شکن حالات بھی پیدا ہونگے مگر خندہ پیشانی سے ان کا مقابلہ کیا جائے اور اس بات کو اچھی طرح یاد رکھا جائے کہ تھک ہار کر بیٹھنے والے کبھی منزل مقصود تک نہیں پہونچتے۔

(ب) زکوٰۃ فنڈ اکٹھا کیا جائے۔ اگر اس میں کامیابی مل جاتی ہے تو انشاء اللہ نہایت وسیع پیمانہ پر اشاعت و طباعت کا کام کیا جاسکتا ہے مگر چونکہ زکوٰۃ مدارس سے جڑی ہوئی ہے اس لیے اس سے عوام کو وحشت ہوسکتی ہے اور محصلین کو دقتوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس طرح کی انجمنوں کو مدارس سے متعلق کر دیا جائے جیسا کہ ہماری انجمن ''مجلس اسلامی'' جو پہلے چند ممبروں کے عطیات سے چل رہی تھی اور اب ۱۴۲۰ھ سے اسے ''مدرسہ عالیہ نعمانیہ غریب نواز'' سے متعلق کر دیا گیا ہے اور اس کے لیے الگ سے زکوٰۃ فنڈ جمع کیا جانے لگا ہے۔

نوٹ: مالِ زکوٰۃ بعد تملیک ہی مَصرَف میں لایا جائے۔

(ج) اصحاب ثروت کو اس طرف مائل کیا جائے اور اس کام کی اہمیت و افادیت ان کے ذہن نشین کرائی جائے وہ اگر ان کاموں میں دلچسپی لے لیں تو کام بہت آسان ہو سکتا ہے مگر انہیں اس طرف مائل کرنا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ ہمارے اغنیاء عام طور پر دین بیزار ہوتے ہیں ان کے لیے معصیت بلکہ صریح ضلالت میں ہزاروں روپئے نچھاور کر دینا، خزانوں کے منھ کھول دینا تو بہت آسان ہے کہ ایسے کاموں میں واہ واہ خوب ہوتی ہے اور یہ ناموری کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ مگر اشاعت دین کے لیے انہیں خفیف سے خفیف چندہ دینا بھی پہاڑ معلوم ہوتا ہے اور جب بھی کوئی بے چارہ درد کا مارا مولوی ان کے پاس برائے چندہ پہنچتا ہے بس فوراً ان کے کاروبار میں گھاٹا لگنے لگتا ہے۔ مگر علما کا کام پتھر کو موم بنانا ہے اس لیے وہ ہمت نہ ہاریں بلکہ برابر ایسوں سے رابطہ رکھیں اور ذہن سازی کرتے رہیں۔ ایک نہ ایک دن ان کی محنتیں بارآور ثابت ہونگی...... اب رہے ہمارے وہ چند گنے چنے اغنیاء جو خود بھی دیندار ہیں اور دینیات سے محبت بھی رکھتے ہیں ان پر ہمارے پیروں اور تملّق باز واعظین وغیرہ کا قبضہ ہے۔ اس قبضہ سے رہائی پائیں تو کچھ کام کریں۔ ایسے حضرات سے ہماری مخلصانہ گزارش ہے کہ آج جبکہ بڑی تیزی کے ساتھ بد مذہب اپنا لٹریچر جا بجا پھیلاتے جا رہے ہیں اور ہر چہار جانب سے اہل سنت کو گھیرتے جا رہے ہیں، سعودیہ عربیہ جیسا ملک بھی اہل سنت کو کمزور کرنے کے لیے اپنی پوری طاقت جھونک رہا ہے۔ ایسے نازک وقت میں ہماری ذمہ داریاں کچھ زیادہ ہی ہو جاتی ہیں۔ اگر ایسے حالات میں بھی علما نے اپنے قلم اور اغنیاء نے اپنی دولت سے کام نہ لیا تو وہ سوچیں کہ کل اللہ کی بارگاہ میں اس غفلت کا کیا جواب دیں گے؟

(د) ہمارے پیرانِ طریقت کے پاس بھی اس کا معقول حل موجود ہے وہ اگر چاہیں اور اپنے مریدین و متوسلین کو اس کی ترغیب دلائیں تو انشاء اللہ روپیہ کی کوئی کمی نہ ہوگی۔ بلکہ وہ خود ہی اس کام کو اپنی سرپرستی میں آگے بڑھائیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔

(ہ) مدارس کے اربابِ اختیار بھی بعض غیر ضروری کاموں کو ختم کر کے اپنے مدرسہ سے اس کے لیے روپیہ فراہم کر سکتے ہیں، اس سے دین کی اشاعت بھی ہوگی اور مدرسہ کو شہرت بھی ملے گی۔

(و) جلسے کرنے والے، جلوس نکالنے والے اور عرس منانے والے اگر تھوڑی سے بچت کر کے ایسے مواقع پر پمفلٹ اور ہینڈ بل شائع کرتے رہیں تو اس سے عظیم فائدہ ہوگا اور شرکاء پر اچھے اثرات مرتب ہونگے......

حضرات! ہمیں یہ بات ہرگز نہیں بھولنا چاہئے کہ ہمارے صوفیائے کرام نے وقت کے تقاضوں کے مطابق اشاعتِ دین فرمائی ہے۔ مگر آج ہم صرف خانقاہوں اور مزاروں کی تعمیر میں جٹے ہوئے ہیں۔ ہمیں ہوش ہی نہیں کہ ہمارا دشمن ہمارے خلاف کن ہتھیاروں کے ساتھ میدان میں اترا ہوا ہے۔ بجا فرمایا ہے حضور حکیم الامت علامہ احمد یار خان نعیمی اشرفی علیہ الرحمہ نے:

اہل سنت بہر قوالی و عرس ☆ دیوبندی بہر تصنیفات و درس

خرچ سنی بر قبور و خانقاہ ☆ خرچ نجدی بر علوم و درسگاہ

اگر ہم یونہی ڈھولک کی تھاپ پر ناچتے رہے اور ہمارے اپنے دوسروں کے دامِ تزویر میں پھنستے رہے تو سوچیے ہمارے مزاروں پر کون آئے گا اور ہماری خانقاہوں کا کون رُخ کرے گا؟ کہ جب مزاروں کے قائل ہی نہ ہونگے تو مزاروں پر حاضری دینے کون آئے گا اور مجاوروں کو نذرانہ کون تھمائے گا۔

قارئین! آپ ہمارے ان کلمات سے وحشت زدہ نہ ہوں اور نہ ہی انہیں کسی مبالغہ آرائی پر محمول کریں۔ ذرا تاریخ کے اوراق الٹیے اور پڑھیے بعدہٗ بتائیے کہ کیا ۱۲۴۰ھ سے پہلے بھارت میں وہابیت کا وجود تھا؟ آخر یہ لوگ اس ترقی اور تعداد کو کس طرح پہنچے کبھی اس بارے میں سوچا؟ آج یہ حالت ہے کہ شاید ہی کوئی گاؤں ایسا ہو کہ جہاں وہابی یا وہابیت سے متاثر کوئی آدمی نہ ہو۔ اگر چہ بیشتر گاؤوں اور قصبوں میں سُنّی صحیح العقیدہ زیادہ پائے جاتے ہیں مگر شہروں کا عجیب حال ہے۔ آپ کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے شہر میں چلے جائیے پکے سچے مصلب سنی معدودے چند ملیں گے اور آپ جماعت کی خاطر سُنّی مسجد اور سُنّی امام کو تلاش ہی کرتے پھریں گے۔ عوام کی غالب اکثریت خواہ اپنے عقائد و معمولات میں سُنّی ہی ہو مگر وہ رہنمائی وہابی علما سے ہی حاصل کرتی ہے اور وہابی اماموں کی اقتداء میں ہی بلا تکلف نمازیں ادا کرتی ہے اور تو اور خود مرکز اہل سنت شہر بریلی شریف اور اس کے مضافات و اطراف کے وہ حالات نہیں رہے جو کبھی تھے اس حقیقت کا انکشاف ''آل انڈیا جماعت رضائے مصطفیٰ'' کے اس دعوت نامہ سے بھی ہوتا ہے کہ جو ۲۵ رجنوری ۲۰۰۰ء کو ازہری مہمان خانہ، سوداگران، بریلی شریف میں ہونے والی میٹنگ کے لیے جاری ہوا تھا۔ بہر حال وقت کا تقاضا ہے کہ ہر سنی خاص کر علما، فضلاء، قراء، حفاظ، ائمہ اور صوفیاء اس خطرہ کا مقابلہ کریں اور اس کا استیصال کرنے کے لیے آگے آئیں۔ سب سے پہلے اپنی اور اپنے لوگوں کی اصلاح کی جائے اس کے بعد مشنری اسپرٹ سے اختلاف عقائد کو بے نقاب کیا جائے اور عوام کو سمجھایا جائے کہ حقیقت کیا ہے؟ یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ ان کے پُر فریب نعروں اور دین، دین کی رٹ کے پیچھے کیا عزائم کار فرما ہیں۔ اگر ہم اب بھی ہوش میں نہیں آئے اور یونہی بے خبری کی نیند سوتے رہے تو وہ دن دور نہیں کہ جب اہل سنت معدوم ہو کر رہ جائیں گے۔ اے میرے مولیٰ! اہل سنت میں پھر کوئی امام احمد رضا پیدا فرمادے کہ جو نجدیوں کے فتنے سے عالم اسلام کو پاک کر دے۔ آمین!

پھر چاہتی ہے دنیا احمد رضا سا عالم   جو فتنہائے نجدی پیوند خاک کر دے

(۲) موضوعات:

موضوعات کا مسئلہ نہایت وسیع اور تفصیل طلب ہے اجمالی طور پر دو خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:
(۱) ہنگامی موضوعات (۲) مستقل موضوعات۔

ہنگامی موضوعات: سے ہماری مراد وہ موضوعات ہیں جن پر عوام تشنگی محسوس کرتے ہیں، اور جو حالات کے اُتار چڑھاؤ سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً:

☆ کسی خاص مقام پر یا کسی خاص مسئلہ کے تحت بدعتی حضرات، لوگوں کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا

کرتے ہیں۔ کبھی محض فساد انگیزی اور ہوا خیزی کی غرض سے مسائل کھڑے کرتے ہیں تو کبھی اتحاد کے نام پر سراپا اخلاص بنتے ہیں۔ کبھی اہل سنت کے خلاف غلط سلط افواہیں پھیلا کر اپنا الّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں تو کبھی کسی خاص وجہ سے پیدا ہونے والے نرم حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، شہد دکھا کر زہر پلاتے پھرتے ہیں اور ان تمام صورتوں میں وہ تقریر سے بھی کام لیتے ہیں اور تحریر سے بھی۔ تبلیغی ہتھکنڈے بھی استعمال کرتے ہیں اور منظم تحریک بھی چلاتے ہیں۔ نتیجتاً بھولے بھالے مسلمان ان کے فریب میں آنے لگتے ہیں۔ ایسے مواقع پر فوری کمک کی ضرورت ہوتی ہے اسی لیے ہمیں ہمارے امام علیہ الرحمہ نے ایک عظیم تدبیر یہ عطا فرمائی ہے:

"شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں۔ جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں۔ آپ سرکوبیٔ اعداء کے لیے اپنی فوجیں، میگزین، رسالے بھیجتے رہیں۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۱۳۴ ممبئی)

بصورتِ تاخیر یا غفلت حالات دگرگوں ہو سکتے ہیں، بلکہ ہو رہے ہیں مگر ہمارے ذمہ داران نہایت بے فکری کے ساتھ چادر تان کر آرام فرما ہیں اسی لیے تو ہمارے بیدار مغز فضلا و مفکرین کا کہنا ہے کہ آج جو مسلمان دیوبندیت، غیر مقلدیت، مودودیت، قادیانیت جیسی گمراہ کن جماعتوں کے پھندے میں پھنستے جا رہے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ عام مسلمانوں کی دین سے ناواقفیت، حقائق سے دوری اور علمائے اہل سنت و ذمہ دارانِ ملت کی غفلت شعاری یا تاخیر سے خبر گیری ہے۔ افسوس ہم اس وقت لاٹھی لیکر پہنچتے ہیں کہ جب سانپ گزر جاتا ہے۔ اللّٰھم نعوذ بک من العجز والکسل، آمین۔

ہم محو خواب ہو گئے چادر لپیٹ کر ☆ لیجانے والے لے گئے سب کچھ سمیٹ کر

مستقل موضوعات: وہ ہیں کہ جن کی مسلمانوں کو ہر وقت ضرورت ہے مثلاً:

وہ مسائل کہ جو ہمارے اور بد مذہبوں کے درمیان قدیم زمانہ سے متنازع فیہا چلے آ رہے ہیں۔ یقیناً ان پر ضخیم، مستند، شائستہ اور طاقتور مواد آنا چاہیے۔ اسی طرح دیگر علمی، ادبی اور فکری موضوعات یا اسلامی عقائد و احکام و شرائع کے موضوعات وغیرہ پر۔ ازاں جملہ کچھ کی تھوڑی سی تفصیل حاضر کرتا ہوں:

کام کرنے کے لیے ضروری موضوعات

عقائد و نظریات: - توحید کے نام پر گستاخیٔ رسول کا درس دینا ...... شرک کا ہوّا کھڑا کر کے تعظیمِ رسول ﷺ سے ڈرانا ...... اِستعانت بِالْاَنْبِیاء جیسے جائز امور کو عبادت قرار دیکر مسلمانوں پر کفر و شرک کے فتوے لگانا ...... بدعت کا جھانسہ دیکر میلاد و فاتحہ وغیرہ امورِ خیر سے نفرت دلانا ...... یہ وہابیت کے خاص گر ہیں۔ اہل سنت کے خلاف وہ اسی طرح کے حربوں سے کام لیتے ہیں۔

چونکہ توحید اصل، اصول ایمان ہے اور شرک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اس لیے مسلمان توحید کا نام

سنتے ہی جھومنے لگتے ہیں اور شرک کا نام آتے ہی خوفزدہ ہو جاتے ہیں مگر وہ بے چارے اپنی سادہ لوحی کی بنیاد پر یہ نہیں سمجھ پاتے کہ وہابی توحید یا شرک یا بدعت یا عبادت کے متعلق جو تفصیلات پیش کر رہے ہیں وہ کتاب وسنت کے بالکل خلاف ہیں۔ اور یوں وہابیت کے چنگل میں پھنسنے لگتے ہیں۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کا صحیح مفہوم قوم کے سامنے پیش کیا جائے اور ان پر مسلسل ٹھوس انداز میں کام کیا جائے اور ان کے تعلق سے جو غلط عقائد انہوں نے اپنی کتابوں میں ٹھونس رکھے ہیں، انہیں منتخب کر کے پوسٹروں، کتابچوں اور ہینڈ بل وغیرہ کی شکل میں شائع کر کے منظر عام پر لایا جائے اور اُن کی اُن کتابوں اور ان عبارتوں کو بطور خاص عوام کے سامنے لایا جائے کہ جو توہینِ رسول پر مشتمل ہیں اور اُن کی خوب خوب تشہیر کی جائے۔ انشاء اللہ اس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آئیں گے۔

اسی طرح خلافتِ علی ومعاویہ، جنگ جمل وصفین، تاریخ کربلا جیسے امور سے متعلق اہل سنت کا صحیح موقف پیش کیا جائے۔ وہ لوگ جو تاریخ پڑھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں یا یزید پلید کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ایسوں کو سمجھایا جائے کہ تاریخ میں خشک وتر سب کچھ ہوتا ہے اس لیے اس طرح کے مسائل محض تاریخ سے حل نہیں ہوتے بلکہ ان کے لیے علمِ کلام کا سہارا لینا پڑتا ہے اور علمائے سلف کا دامن تھامنا پڑتا ہے۔

سیرت النبی ﷺ:- یہ حقیقت ہے کہ "سیرت النبی ﷺ" کے بیشتر ابواب پر ہمارے علمائے کرام نے بہت کچھ لکھا ہے اور برابر لکھ رہے ہیں مگر ایسی کتابیں ہمارے یہاں کم پائی جاتی ہیں جو یکجا طور پر سیرت النبی ﷺ کے تمام ابواب پر یا اکثر ابواب پر حاوی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مخالف ہم کو یہ طعنہ دیتے ہیں کہ ویسے تو یہ بریلوی حضرات بڑے محب رسول بنتے ہیں مگر سیرت النبی ﷺ پر ان کے فلاں، فلاں مولوی نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی ہے۔ حتیٰ کہ ان کے بڑی مولوی صاحب جو اپنے آپ کو بڑے فخر کے ساتھ عبدالمصطفےٰ لکھتے تھے وہ بھی اس سعادت سے محروم رہے۔ بس چند ایک کتابیں اس موضوع پر ان کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ دریں حالات سُنّی ارباب علم ودانش کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اس کمی کو پورا کریں۔ اس سلسلہ میں احقر کی حقیر رائے ہے کہ اگر ہمارے فضلاء چاہیں تو اس موضوع سے متعلق رسائلِ اعلیٰ حضرت جمع کر کے ایک مطوّل کتاب لکھی جاسکتی ہے، اس سے یہ دو فائدے بھی حاصل ہو جائیں گے۔

پہلا فائدہ: قلم لغزشات سے محفوظ رہے گا۔

دوسرا فائدہ: سیرت النبی ﷺ پر فاضل بریلوی نے کچھ نہیں لکھا، یہ اعتراض کرنے والوں کا منہ بھی فق ہو جائے گا۔

اصلاحِ معاشرہ:- عرصۂ دراز سے مسلسل مسلم سماج تباہی سے دو چار ہے۔ ہماری دنیا تو برباد ہے ہی افسوس تو یہ ہے کہ ہم اپنا دین بھی خراب کرتے جا رہے ہیں۔ نماز ہم نہیں پڑھتے، روزے ہم نہیں رکھتے،

زکوۃ ہم نہیں دیتے، وقت پر حج ہم نہیں کرتے، سٹہ بازی ہمارا دھندہ، فضول خرچی ہمارا شعار، جوا بازی ہمارا مشغلہ، شراب نوشی کے ہم دلدادہ، ناچ گانے کے ہم شوقین، سینما ہال ہم سے آباد...... ایک خرابی ہو تو بیان کی جائے ہم تو سیکڑوں بلکہ ہزاروں برائیوں کا مجموعہ بن چکے ہیں، ہمیں ذرا بھی خیال نہیں آتا کہ خدائے تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے اور اپنے کیے کا جواب دینا ہے...... معیشت کی تباہی کا یہ عالم ہے کہ ہمارے پاس زمین نہیں، بود و باش کے لیے جھونپڑے نہیں، ہندوؤں کے ہم مقروض، مقدمات میں ہم محبوس، تجارت سے ہمیں بیر، مزدوری سے ہمیں عار۔ بات بنے تو بنے کیسے؟ کام چلے تو چلے کیسے؟ کہنے والے اسی لیے تو کہتے ہیں کہ ان نا اہلوں، خانہ بدوشوں کو بھارت میں رہنے کا کوئی حق نہیں...... ہمارے جو افسر، سرکاری کرمچاری ہیں، وہ صاحبوں کی چاپلوسی میں رہتے ہیں اور جو سیٹھ صاحب، رئیس اعظم ہیں وہ بے چارے غریبوں، درد مندوں کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے...... میں سچ کہتا ہوں اگر ہمارے مالدار حضرات آنہ پائی سے اپنے مالوں کی زکوۃ نکالتے رہیں تو انشاء اللہ مسلم سماج خوشحال زندگی گزارے گا اور کسی غیر کا دست نگر نہیں رہے گا۔ اور اگر تجارت کو اپنا پیشہ بنالیں تو ساری گھریلو پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔

ایسے نازک حالات میں ہمارے اصحاب قلم حضرات پر لازم ہے کہ قوم کے سامنے ایسا مدبرانہ حکیمانہ لٹریچر پیش کریں کہ جس سے ان کی ذہن سازی ہو اور ہمارے معاشرہ میں جو گندگی پھیلتی جا رہی ہے اس کی کما حقہ تطہیر ہو اور پھر اس لٹریچر کی مدد سے ہمارے عالم، فاضل، حافظ، قاری، منشی، ڈاکٹر، امام، چودھری، لیڈر وغیرہم ذمہ دار حضرات اصلاح معاشرہ کے لیے اپنی پوری توانائی جھونک دیں۔ انشاء اللہ اس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آئیں گے۔ دعا ہے مولیٰ تعالیٰ ہمیں ایک اور نیک بنائے اور ہمارے لیے اپنی رحمت اور اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔ آمین آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

اے پاک کرنے والے ہم کو بھی پاک کر دے ☆ اعضاء کو روز محشر تو تابناک کر دے
غفلت کے گہرے پردے جو ہم پر پڑ گئے ہیں ☆ وہ پردہائے غفلت اللہ چاک کر دے
پھر چاہتی ہے دنیا فاروق جیسا عادل ☆ جو کفر و معصیت سے دنیا کو پاک کر دے

تراجم و حواشی:- قدیم و جدید سنی عربی کتب کے ترجمے زیادہ سے زیادہ شائع کیے جائیں۔ وہابیہ اس ہتھیار سے کافی کام لے رہے ہیں۔ درسی و غیر درسی کتب کے ساتھ اپنے حواشی شائع کیے جائیں۔ معیاری شروح بھی لکھی جائیں اور آپس میں ایک دوسرے کا تعاون کیا جائے۔ ہمارے یہاں تعاون کی بڑی کمی ہے بلکہ ہم مدح سے زیادہ طعن سے کام لیتے ہیں۔ وہابیہ انہیں سب کاموں کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں بلکہ عام لوگ انہیں کو علم کا پہاڑ تصور کرتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ دنیا بھر میں دارالعلوم دیو بند جتنا مشہور ہے اتنا کوئی بھی سنی دارالعلوم مشہور نہیں۔ میرے خیال میں اس کی اہم وجہ ان کا آپس میں تعاون ہے اور ہمارے یہاں اس کی کمی ہے۔ ہم تو ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں زیادہ لذت محسوس کرتے ہیں حالانکہ ہمارے یہاں نہ علم کی کمی ہے اور نہ علما کی۔ آپسی چپقلش، خانقاہی تعصب، نظریاتی کشتم کشتا سے نجات

ملے تو کوئی منظم کام ہو۔

(۳) کس طور پر اور کن ذرائع سے کام کریں:-

تحریر، تقریر، تدریس، تحریک، تبلیغ، تشہیر ہر جاندار طریقہ سے کام کریں اور ہر زُود اثر، دیرپا ذریعہ اپنائیں۔ مگر اس وقت میرا موضوع بحث صرف اور صرف تحریر ہے اس لیے میں اسی پر اظہار خیال کرونگا ملاحظہ فرمائیں:

قابل علما و فضلا کو فارغ البال بنا کر تصنیفات میں لگایا جائے۔ نذرانے دیکر مصنفوں سے کتب و رسائل تصنیف کرائے جائیں۔ تصنیفات میں توزیع ہو کوئی کسی فن و موضوع پر تو کوئی کسی پر۔ تصنیف شدہ رسائل اچھے خط میں، اچھے کاغذ پر اچھے ٹائٹل کے ساتھ چھپوائیں۔ مطبوعات کو تشہیر دینے اور بین الاقوام میں پھیلانے والے ماہرین تیار کیے جائیں...... ہفت روزے، ماہنامے، سالنامے، روز نامے شائع کیے جائیں اور تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت پہنچائے جائیں...... نئے قلمکاروں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ان کے مضامین کو اخبارات و رسائل میں جگہ دی جائے اور ان کی تصنیفات کو چھپوایا جائے۔ یونیورسٹیوں، کالجوں کے اساتذہ و اسکالروں سے بھی کوشش کر کے مقالات و مضامین لکھوائے جائیں...... زعمائے ملک کو بھی اس طرف راغب کیا جائے اور ان تمام امور کو انجام دینے کے لیے سوسائٹیاں، کمیٹیاں، انجمنیں بنائی جائیں اور مل جل کر کام کیا جائے۔ انفرادی کوششوں سے اجتماعی کوششیں بہر حال بھاری ہوتی ہیں اور بہت سا کام تھوڑے سے وقت میں ہو جاتا ہے...... اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ یاد آئی کہ آج تک زیادہ تر ہماری پوزیشن دفاعی رہی ہے، مخالفین ہمیں فارغ ہی نہیں ہونے دیتے کہ کچھ اقدام کریں۔ آئے دن ایک نہ ایک فتنہ کھڑا کر دیتے ہیں اور بے بنیاد الزام تھوپتے رہتے ہیں۔ لامحالہ ہمیں دفاع کرنا پڑتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے مصنف اقدامات بھی کریں تا کہ حزب مخالف کا کچا چٹھا قوم کے سامنے آتا رہے اور ان کی اصلیت سے لوگ واقف ہوتے رہیں۔

☆ یہاں ایک اہم، قابل ذکر بات یہ ہے کہ اکابر اہل سنت بالخصوص امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کتب و رسائل کو جدید انداز میں تخریج و تحقیق کر کے شائع کیا جائے کیونکہ وقت کا یہی تقاضا ہے۔ بیروت، پاکستان وغیرہ سے آج کل عربی کتب اسی طرح چھپ رہی ہیں اور اس سے کتاب کی اہمیت و افادیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

☆ تصنیفات کا ایک مفید طریقہ یہ بھی ہے کہ مصنف اپنی کتاب میں ضرورتاً کتب علمائے اہل سنت کی عبارات پیش کرے خواہ بعینہٖ خواہ حذف و اضافہ کے ساتھ اپنے انداز میں اور آخر میں اطلاع دیدے تا کہ سرقہ کا الزام نہ لگے۔ ان کے علاوہ اور بھی مفید طریقے اپنائے جاسکتے ہیں۔

☆ شائع شدہ لٹریچر مفت میں براہ راست یا بذریعہ ڈاک دور دور تک پھیلایا جائے۔ اگر چاہیں تو ڈاک خرچ طلب کر سکتے ہیں...... کسی مجمع میں مفت میں کتاب تقسیم کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ نا اہل بھی مفت کا مال سمجھ کر اُچک لے جائیں گے اس لیے ایسے مواقع پر کتاب کا معمولی ساھدیہ رکھ دیا جائے تا کہ کتاب

انہیں ہاتھوں تک پہنچے جو اس کے اہل ہیں۔

(۳) زبان و بیان اور اس کے مناسبات :۔

(الف) تحریر ہو یا تقریر زبان آسان اور عام فہم ہونا چاہیے۔ فلسفیانہ طرز اور منطقی استدلال کے بجائے قرآن وحدیث کی روشنی میں گفتگو کی جائے اور بکثرت اس کے حوالے دیئے جائیں۔ احادیث کے انتخاب میں بھی ''اُصولِ حدیث'' کو پیش نظر رکھتے ہوئے دقتِ نظر اور باریک بینی سے کام لیا جائے اور پیش کردہ آیات واحادیث پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے مستند تفاسیر وشروح سے کام لیا جائے، اس کے بعد ہی کوئی نتیجہ اخذ کیا جائے۔ اس کے قارئین پر اچھے اثرات پڑیں گے...... رکیک غیر شائستہ طرز بیان دعوت وتبلیغ کے نقطۂ نظر سے بالکل غیر مناسب ہے، خداوند قدوس ارشاد فرمایا ہے:

اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ (۱۲۵ نحل ۱۶) اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے۔

مگر کیا کہا جائے کہ ہمارے بعض علما اپنی تحریر وتقریر میں غیر مناسب اشتعال انگیز طریقہ اختیار کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اس سے فائدے کے بجائے نقصان ہوتا ہے لوگ یہی تاثر لیتے ہیں کہ یہی لوگ جھگڑالو ہیں۔ ایسے علما وواعظین کو چاہیے کہ اپنے طرز عمل کو بدلیں کہ اسی میں دین کی بھلائی ہے۔ رہا اعلیٰ حضرت کا علمی طنطنہ تو وہ دوسری چیز ہے اور وہ انہیں کو زیب دیتا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ ان کا کیا کہنا وہ تو منصبِ مجددیت پر فائز المرام تھے ۔ ''دشمن احمد پہ شدت کیجئے ☆ ملحدوں کی کیا مروت کیجئے'' ان کے اس پیغام کا مطلب یہ نہیں کہ تہذیب عرفی کا لحاظ نہ رکھا جائے، وہ تو خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:

''دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ہوسکتے، اگر اس شخص سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی، جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔ یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں ان سے بھی ابتداءً بہت نرمی کی گئی مگر چونکہ ان کے دلوں میں وہابیت راسخ ہوگئی تھی اور مصداق ''ثم لا یعودون'' حق نہ مانا اُس وقت سختی برتی گئی کہ رب عزوجل فرماتا ہے ''یا یھا النبی جاھدِ الکفارَ والمنٰفقین وَاغلُظْ علیھم'' اے نبی جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو'' اور مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے ''ولیجدوا فیکم غلظۃ'' لازم ہے کہ وہ تم میں درشتی پائیں۔'' (الملفوظ اوّل صفحہ ۱۴۱ بریلی)

اس سے وہ حضرات نصیحت حاصل کریں کہ جو اپنی غیر شائستہ تحریر یا تقریر سے مذبذب یا خالی الذہن سنّیوں کو اپنے سے جدا یا کم از کم متنفر کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنا رویہ بدل دینا چاہیے اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد پیش نظر رکھنا چاہیے:

''یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا'' نرمی کرو، سختی نہ کرو اور خوشخبری دو، نفرت نہ دلاؤ۔
(الصحیح البخاری، اوّل، کتاب العلم صفحہ ۱۶ دہلی)

نوٹ: بوقتِ ضرورت منطق وفلسفہ سے کام لیا جاسکتا ہے۔

(ب) موضوع بحث اگر متنازع فیہا مسائل ہوں تو حتی الامکان متفق علیہا کتب کے حوالے دیئے جائیں اور خاص طور پر مخالفین کی کتب کو بنیاد بنایا جائے تا کہ فرار ہونے کا موقع نہ ملے۔

(ج) اس سائنٹفک دور میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ حوالوں کا اہتمام کیا جائے، صفحہ نمبر، جزء نمبر، جلد نمبر، مطبع وغیرہ واضح کیا جائے۔ بلکہ بہتر یہ ہے ابواب وفصول کا بھی اہتمام کیا جائے تا کہ مختلف ایڈیشنوں کی تبدیلی صفحات سے قارئین پریشان نہ ہوں۔

(۴) وہ فرقے جن کے خلاف کام کرنے کی ضرورت ہے:

عام طور پر ہمارے حریف علمائے دیوبند ہوتے ہیں۔ جبکہ ان کے علاوہ بہت سے ایسے فرقے یا جماعتیں ہیں جو بعض جہتوں سے ان سے بھی زیادہ خطرناک ہیں اور ہمارے علمائے کرام ان کے بارے میں بہت معمولی معلومات رکھتے ہیں اور یہ بڑا خطرناک رجحان ہے مثلاً:

قادیانی: یہ فرقہ نہایت عیار اور خطرناک ہے، سیاسی طور پر اس کی پہنچ دور دور تک ہے، گورنمنٹی سطح پر اس کا مقام بہت اونچا ہے، بڑے بڑے عہدوں پر اس کا قبضہ ہے۔ الغرض اس کی عرفی حیثیت نہایت بلند و بالا ہے۔ غالباً ''دیندار انجمن'' اسی کی ایک ذیلی تنظیم وتحریک ہے جو آج کل سیدھے سادھے مسلمانوں کو اپنا گرویدہ بنانے میں لگی ہوئی ہے۔

انگریزی داں طبقہ جو عموماً دینیات میں کمزور ہوتا ہے وہ تو اس کا شکار ہو ہی جاتا ہے مگر افسوس تو یہ ہے کہ اب عام مسلمانوں کا ان کے فریب میں مبتلا ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے..... کون نہیں جانتا کہ قادیانی حضور ﷺ کی ختمِ نبوت کے منکر ہیں یہ لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں مگر مجھے اس وقت نہایت حیرت ہوئی کہ جب ''احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند، پاکٹ ایل نمبر ۲۵۔A جنتا فلیٹس، گراؤنڈ فلور، دلشاد گارڈن، دہلی۔ ۱۱۰۰۹۵'' کا شائع کردہ ایک پرچہ بنام ''جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد'' دیکھا جس میں انہوں نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کی ختم نبوت کا قائل ظاہر کیا ہے اور اپنے آپ کو سچا پکا مسلمان بتایا ہے، اسی کے یہ دو شعر ہیں:

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں	دل سے ہیں خدّامِ ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں	خاک پائے احمدِ مختار ہیں

بہر حال اس پرچہ سے میں نے اچھی طرح اندازہ کرلیا کہ یہ فرقہ ٹھیک دیوبندیوں کی چال پر چل رہا ہے لہٰذا اس سے نمٹنا ضروری ہے اور اس کے خلاف لٹریچر نہ صرف اردو زبان بلکہ انگریزی و ہندی زبان میں بھی آنا چاہیے۔

جماعتِ مودودی: قادیانیوں کی طرح یہ فرقہ بھی نہایت خطرناک ہے۔ اس کا نشانہ عام طور پر پڑھا لکھا طبقہ ہوتا ہے۔ پروفیسر، ڈاکٹر، لیڈر، ادیب، ماسٹر، اسکالر وغیرہم ممتاز حضرات اس سے جلد ہی متاثر ہو

جاتے ہیں اور اس جماعت میں ایسوں کی بڑی تعداد ہے۔ چونکہ ظاہراً اس کا لٹریچر شائستہ ہوتا ہے اور اس کے ذمہ دار بظاہر بڑے مہذب بنتے ہیں نتیجتاً لوگ اس کے فریب میں آجاتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ یہ مٹھی بھر جماعت عالمی سطح پر اہل سنت سے متصادم ہے، ہر موڑ پر ہم سے مورچہ لیے ہوئے ہے۔ اردو زبان میں خاص طور پر ان کا تیار کردہ لٹریچر برصغیر ہند و پاک میں گمراہی کا باعث بن رہا ہے۔ افسوس! ان سے نمٹنے کے لیے ہمارے پاس اب تک کوئی ٹھوس پلیٹ فارم نہیں ہے۔ ان کے خلاف ادھر آکر کچھ ادارے ضرور لٹریچر سازی میں مصروف ہوئے ہیں جو کافی خوش آئند اور حوصلہ بخش کام ہے مگر یہ کام ملکی بلکہ عالمی پیمانہ پر بڑی تیزی کے ساتھ ہونا چاہیے۔

جماعت غیر مقلدین: یہ جماعت آج کل بہت زیادہ اودھم مچائے ہوئے ہے اور یہ سب کرشمہ سعودی زکوٰۃ اور کویتی خیرات کا ہے۔ نیپال سے ایک خط آیا، اس کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ جماعت کس قدر دولت لٹاتی پھر رہی ہے۔ جابجا مدارس و مساجد کی تعمیر، عید قرباں کے موقع پر گاؤں گاؤں مفت میں جانور فراہم کرنا۔ کشمیر کے حالات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ وہاں جہاد کے نام پر یہ اور مودودی، دیوبندی جماعتیں کیا کچھ نہ کر رہی ہیں۔ ان کا اصلی مقصد وہی وہابی حکومت قائم کرنا ہے اس لیے یہ چن چن کر سنّی علما و ائمہ کو شہید کرتے جا رہے ہیں اور وہاں کے مسلمانوں کو وہابی بنانے کے لیے اپنا لٹریچر بہت تیزی کے ساتھ پھیلا رہے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اس وقت ان کے یہاں لٹریچر تقسیم نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ پھینکا جا رہا ہے۔ فکر بس یہی ہے کہ ساری دنیا وہابی بن جائے چاہے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔ یہ جماعت آج کل دور افتادہ دیہی علاقوں کو خاص طور پر مرکز تبلیغ بنائے ہوئے ہے۔ بے چارے غریب نادان مسلمان دولت کے لالچ میں ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہیں۔ کوئی سنّی تنظیم ان کی پُرسانِ حال نہیں۔ حالانکہ ایسے خطرناک حالات میں مفت میں سنی لٹریچر تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ، غریب سنّیوں کی مالی امداد کرنا بھی ضروری ہے۔ اور اس کے لیے باقاعدہ ایک فنڈ جمع کیا جائے اور جہاں جہاں، جس جس موقع پر امداد کی ضرورت ہو فوراً امداد کی جائے اور دردمندوں، پریشان حالوں کو دلاسا دیا جائے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سے وہابیت کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکا جا سکتا ہے اور ان کا یہ نیا جال بھی تار تار ہو جائے گا۔ اے میرے مولیٰ! اسباب پیدا فرما، اے میرے مولیٰ! اسباب پیدا فرما، اے میرے مولیٰ! اسباب پیدا فرما، آمین! آمین!

فرقۂ شیعہ: یہ ایک تقیہ پسند فرقہ ہے۔ اس کے عقائد نہایت خراب اور اعمال حد درجہ گھناؤنے ہیں۔ چونکہ ان کے یہاں سیادت عام ہے اور انہیں تقیہ بازی میں کوئی عار نہیں اس لیے یہ لوگ بڑی آسانی کے ساتھ سنّی سیّدوں میں شادی بیاہ کر لیتے ہیں۔ بہت سے سیّد گھرانے ان کے اس فریب میں آکر شیعہ یا کم از کم تفضیلی بن چکے ہیں۔ ہمارا ایسے سیّدوں سے بھی سابقہ پڑا ہے کہ جو اپنے آپ کو بڑے فخر سے سنّی کہتے ہیں مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت میں شک کرتے ہیں اور ان کی ذات میں طرح طرح سے کیڑے نکالتے ہیں۔ ان بے چاروں کو معلوم نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا جنگِ

جمل وصفین کے بارے میں اہل سنت کا موقف کیا ہے...... تحقیق کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ دراصل شیعہ ہیں مگر تقیہ کیے ہوئے ہیں یا ان کے قریبی آبا و اجداد میں سے کوئی تقیہ پسند شیعہ رہا ہے یا ان کی شیعوں سے رشتہ داری ہے یا ان سے گہرے مراسم ہیں اور یہ سب انہیں کی صحبت یا ان کی کتب کی ورق گردانی کا نتیجہ ہے...... کچھ معمولات سنّیوں میں انہیں جیسے پائے جاتے ہیں جیسے تعزیہ داری، ماتم بازی، اس لیے بہت سے ناواقف اور مخالف، شیعیت اور بریلویت کو ایک ہی خانہ میں رکھتے ہیں۔ اہل سنت سے گذارش ہے کہ اس غلط فہمی کو دور کیا جائے اور ان کے عقائد باطلہ کی خوب خوب تشہیر کی جائے تاکہ مسلمان ان سے دور رہیں۔

فریبی دانشور: یہ وہ لوگ ہیں جو دراصل بد مذہب یا آزاد خیال کیمونسٹ مزاج ہوتے ہیں مگر براہ فریب غیر جانب دار بن کر اہل سنت پر حملے کرتے ہیں۔ ایسوں کے لیے سنی صحیح العقیدہ دانشور تیار کیے جائیں اور ان کی بھرپور مدد کی جائے، یہ بہت اہم کام ہے۔

جھوٹے صوفی: سے ہماری مراد وہ صوفی ہیں کہ جو علمائے کرام کا خاکہ اُڑاتے ہیں اور شریعت اسلامیہ پر ہنستے ہیں۔ نشہ آوری کو روحانیت بتاتے ہیں اور اپنی نادانی پر یوں رنگ چڑھاتے ہیں کہ قرآن کے چالیس پارے تھے دس پارے فقیروں نے چاٹ لیے۔ ایسوں کا سختی سے رد کیا جائے تاکہ لوگ ان کے فریب میں نہ آئیں۔

☆ اسی طرح ان جاہل صوفیا اور دکاندار پیروں کا بھی رد کیا جائے کہ جو نیکیوں سے دور اور برائیوں میں مصروف ہیں۔ ترک نماز کا انہیں کوئی ملال نہیں، روزوں کا انہیں کوئی خیال نہیں، عورتیں ان کی خادمائیں ہیں، ڈھولک کی تھاپ پر ناچنا ان کا حال ہے، لوٹ کھسوٹ ان کا نذرانہ ہے...... حاصل کلام یہ کہ ایسے لوگوں نے خانقاہوں اور مزاروں کو بدنام کر رکھا ہے اور سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ بات ہے کہ آج مزارات اور خانقاہوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اہل سنت کے ہی کھاتے میں لکھا جاتا ہے اور عام طور پر لوگ ان سب حرکات کا مرتکب اہل سنت کو ہی گردانتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ آج بہت ساری قدیم خانقاہوں اور مزاروں پر وہابیوں کا نصف یا کل قبضہ ہے۔ بے چارے سنّی مفت میں بدنام ہو رہے ہیں اور یہ لوگ مزے اُڑا رہے ہیں۔ ان کے فتوے تو یہ ہیں کہ مزاروں پر چادر ڈالنا حرام ہے مگر ان چادروں کو بیچ کر کھانا حلال۔ ایسے نازک حالات میں ایک ہمہ گیر تحریک چلانے کی ضرورت ہے اور اس میدان میں سچے صوفی اتریں اور تحریر و تقریر ہر طور سے شریعت اسلامیہ کی پاسبانی کریں اور کھل کر ان کی غیر اسلامی حرکات کا رد کریں نہ مانیں تو بائیکاٹ کریں۔

(۵) کن زبانوں میں کام کیا جائے:-

عربی، اردو، فارسی، انگریزی، دنیا کی ہر زندہ زبان میں کام کیا جائے۔ مقامی زبانوں میں بھی کام کیا جائے تاکہ عام لوگوں کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع ملے۔

(۶) کیسے لوگ کام کریں:-

فرقہائے باطلہ کے رد کے لیے صرف وہی ارباب علم و دانش میدان میں ائیں جو عقائد میں پختہ ہوں، علم میں مضبوط ہوں اور انہیں اپنے اور مخالف کے موقف سے اچھی طرح واقفیت ہو۔ فنِ مناظرہ سے بھی ضروری واقفیت ہو۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ و دیگر اکابر اہل سنت کی کتب کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والا کامیاب مصنف بن سکتا ہے۔ ردّ کرنے والے کے لیے اپنے مسلک اور اپنے مخالف کے مسلک کی مشہور و مستند کتب پر گہری نظر ہونا چاہیے تاکہ تضاد بیانی سے محفوظ رہے اور مخالفوں کی تضاد بیانی کو کھول کر بیان کرسکے کیونکہ مخالفین کے یہاں تضاد بیانی عام ہے بلکہ یہی ان کے مذہب کی روح ہے۔

اصلاحی لٹریچر کے لیے وہی مصنف زیادہ بہتر رہیں گے کہ جو خود بھی باعمل ہیں۔ اسی طرح دیگر موضوعات کے لیے ان کے مناسب مصنف میدان میں آئیں۔ خاص طور پر غصہ و جذبات پر قابو رکھنے والے زبان وادب کے ماہرین اس مہم میں حصّہ لیں۔ جدید قلم کاروں کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے۔

(۷) کن جگہوں پر کام کی ضرورت ہے:-

چونکہ غلبہ کے تناسب سے کسی ضرورت کی اہمیت و افادیت کم و بیش ہوتی رہتی ہے اس لیے ان علاقوں کا انتخاب ضرور کیا جائے کہ جن میں کام کی ضرورت ہے۔

میں یہاں صرف ایک نکتہ واضح کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بسا اوقات لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں اہل سنت کی آبادی کم ہو وہاں کام کی زیادہ ضرورت ہے جبکہ تجربہ کی بات یہ ہے کہ جہاں اہل سنت کی آبادی زیادہ ہو وہاں کام کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر وہاں بد مذہبیت کا غلبہ ہوتا ہے تو ہزاروں افراد کا ایمان وعقیدہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے اور پھر جب بڑی آبادی محفوظ ہو جائے گی تو پھر وہاں سے دوسرے علاقوں میں کام کرنا آسان ہوگا۔

(۸) کن کتابوں کی بار بار اشاعت کی جائے:-

یہ مسئلہ نہایت تفصیل طلب ہے۔ اجمالی طور پر اتنا یاد رکھیں کہ جو کتابیں عوام وخواص کے ذہن سے میل کھاتی ہیں اور ان کی افادیت مسلّم ہے یا ان کی عام طور پر ضرورت پڑتی رہتی ہے ایسی تمام کتابوں کی بار بار، جابجا مختلف زبانوں میں اشاعت ہونا چاہیے۔ اس اجمال کی قدرے تفصیل یوں کی جاسکتی ہے:

(الف) وہ کتابیں جو معتقدات ونظریات اہل سنت اور دینی ضروریات سے متعلق ہیں، مثلاً:

تمہید ایمان:- یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا وہ مبارک رسالہ ہے کہ جس نے ہزاروں کو سیدھا راستہ دکھایا ہے اور لاکھوں کے ایمان کو پختہ کیا ہے۔ عوام چونکہ اس کی مشکل زبان کی شکایت کرتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ اس کو جدید انداز میں تلخیص وتسہیل کے ساتھ شائع کیا جائے۔

توحید کے نام پر:- تقویۃ الایمان کے رد میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا ایک شائستہ رسالہ ہے جو اچھی طرح ذہنوں کو اپیل کرتا ہے۔ اس کتاب کو چھاپ کر دانشوروں تک زیادہ سے زیادہ پہنچایا جائے۔

اطیب البیان:- اس میں علمی انداز میں تقویت الایمان کا مکمل رد ہے اور زبان بھی شائستہ ہے۔
(ب) وہ کتابیں جو بدمذہبوں کے تضادات اور گمراہ کن خیالات کو بیان کرتی ہیں، مثلاً:
زلزلہ:- یہ علامہ ارشد القادری کی وہ انمول کتاب ہے کہ جس کا دیوبندیوں کے پاس کوئی جواب نہیں۔ اگرچہ اس کے جواب میں انہوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں مگر ٹائیں ٹائیں فش۔
لطائف دیوبند:- جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ بڑی مزیدار کتاب ہے۔
خون کے آنسو:- اس میں علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے دیابنہ کی خوب خوب خبر لی ہے۔
جاء الحق:- آسان زبان میں اس کتاب کو معلم المناظرہ سمجھئے اسی طرز پر جدید جاء الحق لکھنے کی بھی ضرورت ہے تاکہ اس کے مندرجات کی تفصیل و تجدید کے ساتھ مزید دیگر متنازع مسائل پر بحث کی جا سکے۔
تاریخ نجد و حجاز:- اس میں وہابیت کی تاریخ ناقابل تردید دلائل کی روشنی میں بیان کی گئی ہے ایسی ہی کتابیں وہابی مذہب کی حقیقت، الوہابیہ، الدیوبندیہ وغیرہ ہیں۔
(ج) وہ کتابیں جو بدمذہبوں کی سازشوں کو طشت ازبام کرتی ہیں اور ان سے میل جول، رشتہ داری وغیرہ کی قباحت کو واضح کرتی ہیں، مثلاً:
بدمذہبوں سے رشتے:- بدمذہب سنیوں میں زیادہ سے زیادہ رشتہ داری کر کے اپنے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں اور خاص خاص علاقوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ اس کے دفاع کے لیے اس طرح کی کتابوں کی ضرورت ہے اور عملی طور پر بھی جدوجہد کی ضرورت ہے۔
دعوتِ اتحاد:- اس میں افتراق بین المسلمین کا بیج بو کر اتحاد بین المسلمین کا نعرہ لگانے والوں کی بہترین کاٹ موجود ہے یہ کتاب اس وقت خاص طور پر انقلاب کا کام کرے گی جبکہ وہابیہ اتحاد کا نعرہ بلند کریں۔
(د) وہ کتابیں جو اہل سنت و امام اہل سنت کے خلاف پھیلائے ہوئے غلط پروپیگنڈہ کو دور کرتی ہیں مثلاً:
گناہ بے گناہی ☆ ارشادات اعلیٰ حضرت ☆ ردّ بدعات و منکرات ☆ منصفانہ فیصلہ ☆ اعلیٰ حضرت کی نگاہ میں انصاریوں کا مقام۔
نوٹ:- مسئلہ کفو پر مزید لکھنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ حاسدین و مخالفین کو داڑھیں بجانے کا موقع نہ ملے۔
(ہ) وہ کتابیں جو اخلاقیات اور اصلاح المسلمین سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً:
اسلامی زندگی ☆ عورت اور پردہ ☆ مزارات پر عورتوں کی حاضری ☆ اسلامی اخلاق و آداب ☆ فیضانِ سنت ☆ حقوق والدین ☆ رسومِ شادی ☆ اسلام میں پردہ ☆ شریعت و طریقت وغیرہ۔
(و) وہ کتابیں جو مختلف موضوعات سے تعلق رکھتی ہیں، مثلاً:

☆ اختلاف علی و معاویہ = تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایوں۔
☆ سیف الجبار = سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایوں۔
☆ فتنوں کی سرزمین = شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی۔
☆ امام احمد رضا اور مسئلہ تکفیر = مفتی شریف الحق امجدی۔
☆ تحقیقات = مفتی شریف الحق امجدی۔
☆ الصوارم الہندیہ = مولانا شاہ حشمت علی خاں۔
☆ سیرۃ المصطفےٰ = علامہ عبدالمصطفےٰ اعظمی۔
☆ نورالعرفان = علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی۔
☆ شانِ حبیب الرحمٰن = مفتی احمد یار خاں نعیمی۔
☆ الاستمداد = اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی۔
☆ الفضل الموہبی = اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی۔
☆ دعوتِ فکر = مولانا محمد منشا تابش قصوری۔
☆ شہید ابن شہید = علامہ محمد صائم چشتی۔
☆ راہ حق = مولانا محمد شفیع اوکاڑوی۔
☆ سبع سنابل شریف = میر عبدالواحد بلگرامی۔
☆ مکاشفۃ القلوب = امام غزالی علیہ الرحمہ۔
☆ تعظیم و توقیر = پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔
☆ توحید و شرک = علامہ سید سعید احمد کاظمی۔

☆ حقائق تحریک بالاکوٹ ☆ اسلامی عقائد ☆ جماعت اسلامی ☆ دعوتِ انصاف ☆ بزرگوں کے عقیدے ☆ انوار الحدیث ☆ نظام شریعت ☆ جذب القلوب ☆ ہمفرے کے اعترافات ☆ شیعوں کے گیارہ اعتراضات ☆ وقعات السنان ☆ اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب ☆ اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب ☆ دین اور اقامتِ دین ☆ جماعت اسلامی کا شیش محل ☆ تحائفِ حنفیہ وغیرہ وغیرہ۔

☆ یہ چند کتابیں ہیں جو قلم برداشتہ معرضِ تحریر میں آئیں ورنہ ابھی یقیناً بہت ساری اہم کتابیں اور بھی ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک وقیع مضمون کی ضرورت ہے جس میں لکھی ہوئی کتابوں کا باریکی سے جائزہ پیش کیا جائے، کوئی فاضل یہ کام کریں تو کیا کہنے۔

نوٹ:- اس مضمون کی تیاری میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ و حجت الاسلام مولانا حامد رضا خاں و پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود و شجاع الدین فاروقی (علیگ)، شہزادۂ علامہ حاجی مبین الدین صاحب محدث امروہوی کے افکار سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

0000

تحریک فکر رضا کے دس۱۰ سال

از محمد زبیر قادری

الحمد للہ عزوجل، سال ۲۰۰۲ء کو تحریک فکر رضا کو قائم ہوئے دس سال مکمل ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ میں یہ تحریر کروں کہ تحریک فکر رضا کا قیام کب اور کیوں عمل میں آیا یہ بتانا نہایت اہم ہوگا کہ تحریک فکر رضا کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

ہم سنّی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو جو کہ جیسویں صدی کے مجدد گزرے ہیں، اور چونکہ ان کے بعد اب تک کوئی مجدد نہیں آیا یا اجماعی طور پر کسی کو مجدد تسلیم نہیں کیا گیا، انہیں ہی اپنا پیشوا اور مقتدا مانتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نہ ہوتے تو برصغیر میں مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ غیر یقینی تھا۔ اصل میں اعلیٰ حضرت کو اللہ رب العزت نے اسی کار تجدید کے لیے برصغیر میں بھیجا تھا جو کہ آپ نے بحسن و خوبی انجام دیا۔ یہاں میں تفصیل سے گریز کرتے ہوئے صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو جماعت اہلسنّت کے تمام ہی اکابرین نے حق و باطل میں امتیاز کی نشانی اور ایمان کی کسوٹی قرار دیا ہے جو کہ بالکل برحق ہے۔ غرض یہ کہ تمام ہی اکابر اور اصاغر کے نزدیک اعلیٰ حضرت کی حیثیت مسلم ہے۔ اعلیٰ حضرت کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کے تمام ہی فرقہائے باطلہ اور نظریات فاسدہ کا رد بلیغ فرمایا ہے۔ امام احمد رضا کے اس امتیاز حق و باطل کی بناء پر فرقہائے باطلہ کے متبعین اور پیروکاروں نے انہیں اپنا دشمن سمجھ لیا اور ان کی شخصیت کو داغ دار کرنے کا مکروہ عمل شروع کر دیا اور اپنی ساری توانائی صرف امام احمد رضا کے خلاف استعمال کی گئیں۔ جس کا نتیجہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان کی وفات کے ستر سال بعد بھی لوگوں کی اچھی خاصی تعداد باطل کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر گمراہ نہیں تو مذبذب ضرور ہو رہی ہے۔ ...... المیہ یہ ہوا کہ ہم اپنے امام کا ایسا دفاع نہ کر سکے جس کی ہمیں ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ باطل کو اپنے کام میں زبردست کامیابی ملی اور وہ ہر جگہ چھاتے چلے گئے۔ یہ بات ضرور ہے کہ آج بھی دنیا بھر میں اہلسنّت و جماعت کی ہی اکثریت ہے اس کے باوجود اعلیٰ حضرت، اعلیٰ حضرت کیوں؟ یہ بتانے کو عرصہ لگا۔ الحمد للہ اب جا کر حالات میں کافی تبدیلی آئی ہے۔

آج سے دس سال قبل جب رب العزت نے ہمیں وجدان عطا فرمایا اور ہمارے دل میں بھی سنیت کی تڑپ بیدار ہوئی۔ دین برحق کی خاطر کچھ کرنے کا جذبہ بیدار ہوا تو ہمیں سب سے پہلے یہی پہلو کمزور نظر آیا کہ ہمارے اسٹیجوں سے مسلک اعلیٰ حضرت کے نعرے تو خوب لگائے جا رہے ہیں۔ مگر عوام الناس میں اعلیٰ حضرت کے خلاف اندر ہی اندر پروپیگنڈہ مہم جاری ہے اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں مہیا کیا جا رہا ہے۔ صرف اعلیٰ حضرت، اعلیٰ حضرت کا ورد کیا جا رہا ہے مگر اعلیٰ حضرت کی خدمات سے عوام و خواص کو واقف نہیں کرایا جا رہا ہے۔ دنیوی پڑھا لکھا طبقہ اعلیٰ حضرت سے بدگمان ہے تو ان کی بدگمانی کو

دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں ہورہی ہے۔ ہمارے یہاں اعلیٰ حضرت کے ردّ وہابیہ کو اس قدر مشتہر کیا گیا کہ وہ ایک متشدد مولوی بن کر رہ گئے۔ جبکہ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمی کارناموں کو بھی مشتہر کیا جاتا تو آج منظر نامہ کچھ اور ہوتا۔ ان سب کے لیے ضروری تھا کہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت سے متعلق مستقل طور پر لٹریچر شائع کرکے عام کیا جاتا۔ ہمارے یہاں چند کتابیں اور رسالوں کے نمبر تو ضرور شائع ہوئے تھے لیکن چونکہ بدمذاہب مسلسل اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو داغدار کرنے کی مہم میں مشغول ہیں اس لیے ہمیں بھی مسلسل کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اُس وقت ہم نے یہ پایا کہ اعلیٰ حضرت پر پاکستان میں تو بہت کام ہورہا ہے اور مستقل ہورہا ہے۔ بلکہ ان کی شخصیت کو دنیا بھر میں متعارف کروانے کے لیے باقاعدہ ادارے قائم ہیں جو صرف اور صرف ان ہی کی شخصیت پر تحقیقی کاموں میں لگے ہیں اور ان پر وافر مقدار میں لٹریچر شائع کرکے دنیا بھر میں اعلیٰ حضرت کا تعارف کرانے میں پیش پیش ہیں۔ مگر چونکہ اعلیٰ حضرت کا وطن ہندوستان میں ہے اور ان کا خانوادہ بھی یہیں ہے اس کے علاوہ ان کے خلفاء، متوسلین، منتسبین کی بھی اکثریت یہاں موجود ہے۔ ان کا پیر خانہ بھی یہیں پر موجود ہے۔ تو لازمی بات ہے یہاں پر اعلیٰ حضرت کی شخصیت پر کام کرنا زیادہ آسان ہونا چاہیے۔ اُن سے منسوب تمام ہی چیزوں تک رسائی آسان بھی ہے اور معلومات جمع کرنا پاکستان کی بہ نسبت زیادہ سہل بھی ہے۔ اس کے باوجود یہاں ان کی فکر کو عام کرنے میں مستقل طور سے کوئی ادارہ کام نہیں کررہا ہے تو یہ کسی المیہ سے کم نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ریسرچ اسکالر اعلیٰ حضرت کے بارے میں تحقیق کے لیے بریلی شریف جاتا تو اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

آج ہماری اصل لڑائی فکر کی ہے۔ باطل نظریات، یعنی فکری طور پر گمراہ تمام ہی فرقے ہمارے خلاف کام کررہے ہیں۔ آج دنیا بھر میں نظریات کی جنگ چل رہی ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی نظریہ یا ازم ظاہر ہوتا ہے یا کسی فلاسفر کو کوئی نیا نظریہ سوجھتا ہے تو وہ ساری دنیا میں نعرہ لگاتا ہے اور دنیا اندھی تقلید میں اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ چند سال خوش فہمی میں گزرتے ہیں تو انہیں اپنی نظریات کی ناکامی کا پتہ چلتا ہے اور پھر وہ تائب ہوکر دوبارہ پرانی روش پر چلنے لگتے ہیں۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ اعلیٰ حضرت نے ندوۃ العلماء کی تحریک پر اس کی میٹنگ میں شرکت کی لیکن جب آپ اس کے عزائم سے آگاہ ہوئے تو فوراً علیحدگی اختیار کرکے اس کے خلاف لوگوں کو بیدار کرنے کے لیے کتابیں شائع کی۔ اسی طرح آپ کے عہد میں اور بھی مسلم وغیر مسلم نظریات جنم لیتے رہے اور وہ ہر فکر کی کجی سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہے۔ ہمیں ان کی اسی فکر کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی فکر کی بقا ہی اس دور میں جہاد ہے۔

سو جب ہمیں میدان خالی نظر آیا تو ہم نے کام شروع کرنے کی ٹھان لی۔ جب اللہ تعالیٰ کو کسی سے کام لینا ہو تو کام کے آدمی بھی میسر آہی جاتے ہیں اور تائید غیبی بھی میسر آجاتی ہے۔ یکساں فکر کے ساتھیوں کا ملنا بہت سی کامیابیوں میں مددگار ہوتا ہے۔ اس وقت نہ ہمارے پاس کچھ سرمایہ تھا نہ یہ علم تھا کہ کام کیسے شروع کیا جائے۔ بس چار پانچ ہی احباب ایک مدرسہ (مدرسۂ ادب تعلیم القرآن) میں ملتے تھے اور دینی کتابیں پڑھ کر معلومات میں اضافہ کرتے تھے۔ یہ مدرسہ ہماری تنظیم کے فکری رہنما جناب امجد

شیخ جو ہمارے نزدیک واقعی مفکر ہیں، چلایا کرتے تھے۔ وہ اپنے مدرسہ کے چھوٹے بچوں کی ذہن سازی کا کام کیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ کل یہی ہمارا مستقبل بنیں گے، ان کے بل پر ہی ہم سنیت کا کام کر سکتے ہیں۔ اس لیے ابھی سے ان کی تربیت لازمی ہے۔ حالانکہ وہ مدرسہ صرف قرآن شریف کی ناظرہ تعلیم کا تھا اس کے باوجود وہ ان بچوں پر بہت محنت کرتے تھے اور آج بھی اُن کا کام جاری ہے۔ انہوں نے کافی کتابیں جمع کی ہوئی تھیں۔ باطل فرقوں کی کتب بھی ان کی گمراہیت ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس موجود تھیں۔ امجد بھائی نے ہی ہماری فکر مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ہم سب احباب ملازمت پیشہ تھے۔ شام کو کام سے فارغ ہونے کے بعد یہاں آکر ملتے تھے اور دین کی کچھ خدمت کرنے کے بارے میں غور وفکر کرتے تھے۔ بہت غور وفکر کے بعد ہم نے ''تحریک فکر رضا'' کے عنوان سے کام شروع کرنے کا پروگرام بنایا۔ اُس وقت ہمارے علم کے مطابق پوری دنیا میں اس نام کی کوئی بھی تنظیم نہیں تھی۔ چونکہ ہم امام احمد رضا کی فکر کو عام کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم بنانا چاہتے تھے اور اس کے لیے ''تحریک فکر رضا' نام بہت ہی مناسب تھا اس لیے یہ نام تجویز کرلیا گیا۔ ابتدا سے ہم نے لٹریچر کی اشاعت کو ہی اپنا نصب العین بنایا۔ اُنہی دنوں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی سے ڈاکٹر مجید اللہ قادری (ماہر ارضیات، کراچی یونیورسٹی، کراچی) کی کتاب ''قرآن، سائنس اور امام احمد رضا'' موصول ہوئی تھی۔ یہ کتاب اعلیٰ حضرت کی علمِ سائنس میں مہارت پر بہت اچھا تعارف پیش کرتی ہے اور دنیوی تعلیم یافتہ افراد تک اعلیٰ حضرت کا تعارف پہنچانے کا اچھا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔ اور ہمارا مقصد اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو منوانا تھا کیونکہ بدمذاہب کے پروپیگنڈے کے زیر اثر جب لوگ اعلیٰ حضرت سے بدگمان ہوتے تو وہ مسلک اہلسنت سے ہی دور ہوجاتے۔ اس لیے اعلیٰ حضرت کی عظمت کو لوگوں کے دلوں میں بیٹھانے کے لیے اس طرح کا لٹریچر پیش کیا جائے کہ اُن کے مطالعہ سے لوگ اعلیٰ حضرت کی شخصیت سے متاثر ہوں اور اس طرح مسلک اہلسنت سے بھی جڑے رہیں۔ ...... ہم نے ''قرآن، سائنس اور امام احمد رضا'' کو اشاعت کے لیے منتخب کرلیا۔ تمام احباب نے باہم تھوڑے پیسے نکالے اور کتاب شائع کردی۔ اس کتاب کا اجراء رضا اکیڈمی کی نوری محفل میں محترم محمد سعید نوری کے ہاتھوں ہوا۔

''قرآن، سائنس اور امام احمد رضا'' ہمارا پہلا تجربہ تھا۔ ہم نے کتابیں اسٹالس پر فروخت کے لیے بھی دیں۔ چونکہ ہمارا ماننا تھا کہ جو کتابیں صرف مفت تقسیم ہوتی ہیں اس کی لوگ قدر نہیں کرتے۔ آپ مساجد کے باہر کتابیں تقسیم کرنے کھڑے ہوجائیں تو لاکھوں کی تعداد میں کتابیں تقسیم ہوجائے مگر کچھ ہی دنوں میں وہ کتابیں آپ کو رڈی فروش کے یہاں یا مسجد میں ٹھنڈی کرنے کے لیے رکھی ملیں گی۔ جو لوگ پڑھنے لکھنے کا ذوق رکھتے ہیں وہ مارکیٹ سے خود کتابیں خریدتے ہیں۔ اور ویسے بھی ان دنوں دینی کتابوں کی دکانوں پر ہماری کتابیں عنقا تھیں اور اب بھی ہیں۔ چند ہی کتابیں مسلسل شائع ہورہی ہیں جبکہ جدید مسائل پر ہماری کتابیں ڈھونڈھے سے نہیں ملتیں۔ ہم نے اہم اور خاص لوگوں کو ہدیۃً کتابیں دیں خصوصاً علما کرام کو۔ جب علما کرام سے ہمیں اچھے تاثرات موصول ہوئے جن میں مصنفِ کتاب ڈاکٹر مجید اللہ

قادری (کراچی)، سید وجاہت رسول قادری، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، علامہ عبدالمبین نعمانی، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اشرفیہ) قابل ذکر ہیں تو ہمیں از حد مسرت ہوئی۔ ہم اپنی اس کامیابی پر پھولے نہیں سمائے۔ حالانکہ ہمیں اس کتاب پر لگائی ہوئی لاگت کا ایک تہائی بھی وصول نہیں ہوا۔ مگر ایک اچھا، مثبت دینی کام ہونے کی خوشی کا جو احساس ہوتا ہے وہ لاکھوں منافع کما کر بھی نہیں ہوتا۔

اس وقت لاہور سے ماہنامہ "جہانِ رضا" ۱۹۹۱ء میں نیا نیا جاری ہوا تھا۔ مرکزی مجلس رضا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی شخصیت کو دور ونزدیک پہنچانے والا اوّلین ادارہ، کی زیر نگرانی یہ پرچہ جاری ہوا تھا۔ مجلس رضا کے تحت لاکھوں کتابیں شائع کر کے تقسیم کی جا چکی تھیں۔ ابتدا میں جہانِ رضا جناب معین الدین صاحب مالک اجمیری بک ڈپو۔ ممبئی کے پاس لاہور سے آتا تھا جن کے پاس پہلے ہی سے پاکستانی کتب آتی تھیں اور پاکستانی ڈائجسٹوں کے پڑھنے کے شوق سے میرا ان کے ہاں روزانہ جانا آنا تھا۔ جہانِ رضا کے پارسل کے ساتھ ایک لسٹ بھی آئی جس میں اُن افراد کے نام و پتے درج تھے جن تک یہ رسالے پوسٹ کرنا تھے۔ جناب معین الدین صاحب اپنی مصروفیات کی بناء پر یہ خدمت انجام نہیں دے سکتے تھے اس لیے انہوں نے مجھے یہ ذمہ داری دی۔ یہ رسالہ ہندوستان کے علما و مشائخ حضرات کے نام جاتا تھا۔ خصوصاً عاشقانِ اعلیٰ حضرت اسے طلب کرتے تھے۔ یہ لاہور سے ہی بلا قیمت تقسیم کیا جاتا تھا اور میرا کام صرف یہ تھا کہ میں اسے فہرست میں درج افراد تک پہنچادوں۔ اس ذریعہ سے ہمارا رابطہ حضرت علامہ سبحان رضا خان، حضرت علامہ اختر رضا خان، علامہ عبدالمبین نعمانی، علامہ یسین اختر مصباحی، مفتی اشرف رضا، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، الجامعۃ الاشرفیہ، وغیرہم سے استوار ہوگیا۔ جو کہ مستقبل میں ہمارے بہت کام آیا۔

ہمیں "جہانِ رضا" کا انداز پسند آیا کہ جس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی حیات و خدمات کے پہلوؤں کو علمی و تحقیقی مثبت طریقہ پر پیش کیا جاتا تھا۔ جس کے پڑھنے سے کالج و یونیورسٹی کے افراد ضرور متاثر ہوسکتے تھے۔ اور ہم نے مرکزی مجلس رضا کے سابقہ کام کی روشنی میں اندازہ لگایا کہ اب تک مجلس رضا نے پڑھے لکھے حلقوں میں اچھے اثرات مرتب کیے ہیں۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا کہ اس طرح کا کوئی رسالہ ہمیں بھی شائع کرنا چاہیے۔ گو کہ ہم بالکل ہی ناتجربہ کار تھے۔ اس سلسلے میں رہنمائی کے لیے کئی علما کرام کو خطوط لکھے مگر ایک دو حضرات کے علاوہ کسی نے جواب تک نہیں دیا۔ تب میں نے علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کو لاہور خط بھیجا اور اپنی تنظیم کا تعارف کرا کر تعاون و رہنمائی طلب کی۔ حضرت کا بہت ہی حوصلہ افزا خط آیا۔ مجھے آج تک اس مختصر سے خط کا متن یاد ہے کہ "آپ بے فکر ہو کر کام شروع کریں ہم نے تو جب کام شروع کیا تھا تو صرف ایک رجسٹر اور قلم لے کر بیٹھے تھے۔ اگر آپ کو مالی تعاون کی بھی ضرورت پیش آئے تو ہم حاضر ہیں۔" اس خط کو پا کر ہم کافی عرصہ تک مسرور رہے اور کام کرنے کا جذبہ بہت بڑھ گیا۔ اس طرح سے حوصلہ افزائی کا ایک بھی خط ہمیں کسی ہندوستانی عالم نے نہیں بھیجا۔ گو کہ فاروقی صاحب نے ہمیں کوئی مالی تعاون نہیں کیا مگر ان کی اس حوصلہ افزائی سے ہمیں یوں

لگا جیسے ہمارے بھی سروں پر کوئی موجود ہے جو کبھی بھی ہمارا ساتھ دے سکتا۔ اس طرح کا عمل دینی کام کا جذبہ رکھنے والے افراد کو مسلسل متحرک رکھتا ہے۔

اللہ رب العزت کا مجھ گنہگار پر خصوصی کرم ہے کہ اس نے مجھ میں دینی جذبہ جگایا اور مسلسل اس طرف راغب کیا۔ اور ایسے ساتھی میسر آئے جنہوں نے میری کوششوں کو سراہا اور قدم قدم پر رہنمائی کی خصوصاً ہمارے ساتھی محمد امجد شیخ جن کی کئی باتوں سے میں اختلافات رکھتا ہوں مگر پھر بھی انہی کی ذہن سازی کا نتیجہ ہے جو آج احقر کا نام اعلیٰ حضرت کے حوالے سے یاد کیا جاتا ہے۔ شاید یہی بات ہے کہ اسی دوران میرے ذہن میں "آپ مسلمان ہیں اور نماز نہیں پڑھتے؟" کی بنیاد پر ایک اچھوتا خیال آیا کہ ایسا ہی ایک پیغام عوام تک پہنچانے کی ضرورت ہے جس میں اعلیٰ حضرت کو مسلکِ اہلسنت کی کسوٹی قرار دیتے ہوئے فکرِ رضا کو مضبوطی سے تھامنے اور عمل پیرا ہونے کی ہدایت پر زور دیا جائے۔ اور پھر وہ پیغام لفظوں کی شکل میں ڈھل گیا۔ "آپ سُنّی ہیں اور امام احمد رضا کو نہیں جانتے!!! تعجب ہے؟" جب ہم نے اسٹیکر کی شکل میں اسے شائع کر کے عام کرنا شروع کیا تو جس نے بھی دیکھا پھڑک اٹھا۔ ہم اپنے محدود وسائل کی بناء پر کثیر تعداد میں شائع نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے ہم نے اسے اپنے رابطہ کے علما، مشائخ اور دینی تنظیموں تک پہنچایا۔ جس کا فی الفور نتیجہ سامنے آیا۔ ہندوستان کی کئی تنظیموں نے اسے شائع کیا۔ خصوصاً رضا اکیڈمی ممبئی نے اسے کثیر تعداد میں شائع کیا اور دور ونزدیک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا اور اب تک دس برس ہو گئے مسلسل شائع کر رہی ہے۔ اُس وقت مولانا فروغ القادری صاحب، جو کہ سُنّی رضوی سوسائٹی، ساؤتھ افریقہ شاخ کے ڈائریکٹر تھے۔ انہوں نے بذریعہ خط یہ اطلاع دی کہ یہاں پر سُنّی رضوی سوسائٹی نے اسے شائع کیا اور اپنی برانچوں کے ذریعہ افریقہ اور یورپ میں اسے عام کیا ہے۔ انہوں نے ساتھ ہی اسٹیکر کے دو نمونے بھی ارسال کیے تھے۔ ربِ عظیم کو ہم سے کام لینا ہو تو خود ہی طریقے سجھا دیتا ہے۔ مجھ جیسا بے بضاعت شخص جس کا کوئی دینی ماحول نہیں صرف چند کتابیں پڑھ کر یہ کام کیسے انجام دے سکتا ہے۔ بس اسے تائیدِ غیبی ہی کہا جا سکتا ہے۔ ہمارے ایک دوست جناب اللہ بخش مکاندار صاحب (ہبلی) نے مجھ سے کہا کہ آپ کا یہ پیغام بارگاہِ رضویت میں قبول ہو گیا ہے اس لیے یہ اتنا مقبول ہو رہا ہے۔ ...... کراچی، پاکستان سے ہمارے دوست ترک ولی محمد قادری صاحب نے اطلاع دی کہ وہاں پر سُنّی تحریک اسے شائع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

"جہانِ رضا" کے چند شمارے پڑھنے کے بعد ہمیں دل میں خواہش بیدار ہوئی کہ ہمیں بھی اسی طرح کوئی رسالہ نکالنا چاہیے جو اعلیٰ حضرت کی تعلیمات، افکار ونظریات مثبت طریقہ پر لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے اور بدمذہبوں کے مکروہ پروپیگنڈہ سے مسلکِ اہلسنت اور اعلیٰ حضرت کی جو منفی تصویر بن گئی ہے اس کا تدارک کیا جا سکے۔ اور یہ رسالہ بھی مفت ہی تقسیم کیا جائے۔ ہمارے لیے اہلسنت کے ماہناموں کا حال پوشیدہ نہیں تھا جو کبھی سرمایے کی کمی کی وجہ سے تو کبھی قارئین کی نااتفاقی کی بناء پر دم توڑ چکے تھے۔ اگر ہم بھی خریدار قارئین کے بھروسہ پر یا سرمایے کی عدم دستیابی کی بناء پر رسالہ جاری نہ رکھ سکے تو

اس کا اجراء کرنا لوگوں سے اپنا مذاق اڑانا ہوگا۔ اس ضمن میں حضرت مفتی اشرف رضا مدظلہ نے مفید مشوروں سے نوازا۔ بالآخر یہ طے پایا کہ ماہنامہ کی بجائے سہ ماہی پرچہ جاری کیا جائے۔ اس طرح کام کم ہوگا مگر مستقل جاری رکھنے میں آسانی ہوگی۔ مفتی اشرف رضا نے رسالہ کے پشت پر "ہمارے مقاصد" متعین کرنے میں مدد کی۔ ہمارے لیے رسالہ کے نام کا تعین بھی کچھ دشوار ثابت نہ ہوا تحریک فکر رضا کی مناسبت سے "افکار رضا" تجویز کرلیا گیا۔ اس نام سے پورے ہند و پاک میں ایک بھی رسالہ نہیں تھا۔ ......اور بالآخر "افکار رضا" کا پہلا شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۵ء، ماہ ستمبر میں شائع ہوا۔ گو پہلا شمارہ صرف ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا اور اس میں مواد کے لحاظ سے صرف پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی کتاب "محدث بریلوی" کا افتتاحیہ، چند خطوط اور چند خبریں تھیں۔ یہاں پر میں جناب معین الدین صاحب (مالک اجمیری بک ڈپو) کے تعاون کا بیحد مشکور ہوں کہ سہ ماہی افکار رضا کا اُس وقت کوئی دفتر نہیں تھا جہاں پر لوگ خط و کتابت یا ملاقات کے لیے آتے۔ اور بمبئی میں جگہ کا حصول کس قدر مشکل ہے یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ جگہ کرایے پر بھی لینے کے لیے زر کثیر کی ضرورت پڑتی ہے خریدنا تو دور کی بات ہے۔ اس وقت جناب معین الدین صاحب نے اپنے اجمیری بک ڈپو کا پتہ استعمال کرنے کی اجازت دیکر بہت کرم کیا۔ آج دس سال ہوگئے ہماری تمام ڈاک اسی پتے پر آتی ہے۔ اور معین الدین صاحب نہایت دیانت داری سے ہماری ڈاک ہمارے سپرد کردیتے ہیں۔ ابتداء میں دفتر نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں بہت دشواریاں ہوتی تھیں کیونکہ ہم خط و کتابت کے لیے تو پتہ اجمیری بک ڈپو کا استعمال کرتے تھے لیکن اس کے سائن بورڈ پر تحریک فکر رضا کا نام نہ ہونے کی وجہ سے ملاقات کے لیے آنے والوں کو پتہ ملتا ہی نہیں تھا۔ لیکن ہماری مجبوریاں اپنی جگہ تھیں۔

پہلا شمارہ تو شائع ہوگیا لیکن اگلے شمارے کے لیے مضامین کا انتخاب ہمارے لیے مشکل ہوگیا۔ بڑی تلاش و جستجو کے بعد سالنامہ "معارفِ رضا" اور ماہنامہ "جہانِ رضا" سے مضامین کا انتخاب کیا گیا۔ دوسرا شمارہ بھی شائع ہوا۔ اور احباب میں تقسیم ہوگیا۔ اندرون و بیرونِ ممالک سے تاثرات کا تانتا بندھ گیا۔ خطوط پڑھ پڑھ کر ہمارا سیروں خون بڑھتا جاتا اور کام کرنے کا مسلسل جذبہ فزوں تر ہوتا گیا۔ لیکن ابتدائی زمانہ میں مضامین کے حصول نے ہمیں پریشان کردیا۔ میں نے سنّی قلم کاروں کو کافی خطوط لکھے سوائے چند کو چھوڑ کر کسی نے جواب تک نہ دیا۔ روزِ اوّل سے قلمی تعاون دینے والے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی ہی ہیں، جن کے ہم پر بے حد احسانات ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ رسالہ کا دائرہ پھیلتا گیا اور اچھے قلم کاروں کا تعاون ملتا گیا۔

مسلسل اشاعت سے ہمارے روابط بڑھتے گئے۔ ہم نے ابتدا سے ہی یہ کوشش کی کہ اس کے دائرہ کار کو پھیلا کر عالمی سطح پر لانا ہے۔ اس لیے ابتدا سے ہی افکار رضا ہندوستان کے علاوہ پاکستان، امریکہ، برطانیہ، ساؤتھ افریقہ، ماریشس ...... جہاں جہاں سنّی تنظیمیں ہیں بھجوایا جاتا رہا۔

باقی آئندہ ......انشاء اللہ

تبصرہ کتاب:

نام کتاب: سر کٹاتے ہیں تیرے نام پر مردانِ عرب (دو جلدیں)

مبصر: فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی

عرصہ سے ایک ایسی کتاب کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی تھی جو آسان اُردو زبان میں اسلامی تاریخ پر مشتمل ہو اور بالخصوص اس میں عاشقان مصطفیٰ ﷺ کی جان نثاری و سرفروشی کی مفصل داستانیں ہوں۔ بحمدہ تعالیٰ مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب برکاتی رضوی نوری متوطن پوربندر (گجرات) نے زیر نظر کتاب لکھ کر وہ ضرورت پوری کردی۔

ہم نے کئی جگہوں سے اس کا تھوڑا تھوڑا حصہ مطالعہ کیا جتنا پڑھا اسے بہت خوب پایا۔ مولانا موصوف نے شروع میں حل لغات بھی لکھ دیا ہے جس سے کتاب کے سمجھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ اور کئی صفحات پر پھیلی ہوئی مفصل فہرست مضامین کے ساتھ دوسری بھی کئی طرح کی فہرستیں تحریر کی ہیں۔ جن سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔ **اوّل** ملک شام میں اہم کردار ادا کرنے والے مجاہدین۔ **دوم** ملک شام میں شجاعت دکھا کر رومیوں سے جنگ کرنے والی اسلامی خواتین۔ **سوم** ملک شام، فلسطین، اجنادین، دمشق، حمص، یرموک اور حلب وغیرہ میں شہید ہونے والے اہم مجاہدین۔ **چہارم** ملک شام میں قتل ہونے والے اہم رومی سردار۔ **پنجم** وہ رومی حاکم اور بطارقہ جو ایمان لائے اور اسلام کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ **ششم** وہ رومی سردار جنہوں نے اسلام تو قبول نہیں کیا مگر اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے امان کی شرط پر اسلامی لشکر کی مدد کی۔ **ہفتم** ان مقامات کے نام جن کا ذکر اس کتاب میں ہے اور ساتھ ہی اہم مقامات کے پرانے اور موجودہ انگریزی نام بھی تحریر کردیے ہیں۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے ایسے لوگوں کو پہلے مکہ آنا چاہیے کہ وہاں تلوار پیغمبر اسلام کے ہاتھ میں نہیں تھی بلکہ کفار مکہ کے ہاتھوں میں تھی۔ بیشک وہاں تلواریں بھی چلیں، نیزے بھی اٹھے، تیر بھی برسے اور طاقتیں بھی استعمال ہوئیں مگر اسلام پھیلانے کے لیے نہیں بلکہ اسے مٹانے کے لیے۔

لیکن اس کے باوجود دنیا نے پہلی بار عشق ومحبت کا یہ حیرت انگیز تماشہ دیکھا کہ اسلام قبول کرنے والے تلوار اور نیزوں سے گھائل ہوتے رہے، پتھروں کی چوٹ کھاتے رہے، گرم گرم چٹانوں پر چلتے رہے، انگاروں پر لوٹتے رہے اور جسم کی چربیاں پگھلتی رہیں مگر ان کے دل سے اسلام کی محبت کا نشہ اُترنے کی بجائے چڑھتا ہی رہا۔

خلاصہ یہ کہ حضور ﷺ نے تلوار چلا کر نہیں بلکہ قرآن سنا کر اسلام پھیلایا ہے۔ مولانا ہمدانی صاحب نے اس کتاب میں مستند واقعات اور ٹھوس دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنی حقانیت اور حضور ﷺ کے حسن اخلاق سے پھیلا ہے۔ غرضیکہ مولانا موصوف نے یہ ضخیم تاریخی

کتاب بڑی محنت اور نہایت عرق ریزی کے ساتھ لکھی ہے۔ جو قارئین کو بڑی معلومات فراہم کرتی ہے۔ اور کتاب میں عبارت کی روانی و جملوں کی بے ساختگی بھی خوب ہے کہ ان سے یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ مولانا کی مادری زبان گجراتی ہے۔

اللہ رب العزت جل مجدہٗ نے مولانا ہمدانی صاحب کو بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے کہ وہ اپنی غیر معمولی مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کے لیے بھی کافی وقت نکال لیتے ہیں اس لیے اب تک سو سے زائد کتابیں وہ لکھ چکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ آج تقریر سے زیادہ تحریری کام کی ضرورت ہے۔ لیکن جماعت میں اکثر باصلاحیت حضرات آرام طلبی وتن آسانی کے خوگر ہیں۔ تو تحریری کام اس رفتار سے نہیں ہورہا ہے جس کی ضرورت ہے۔ اس لیے مولانا ہمدانی صاحب اس ضرورت کو پوری کرنے کے لیے مسلسل جدوجہد کررہے ہیں۔

اور انہوں نے اسلام وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ واشاعت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عزم مصمم کرلیا ہے۔ عرب شیوخ میں مفت تقسیم کرنے کے لیے عقائد اہل سنت کی تائید کرنے والی مواہب لدنیہ اور شفا وغیرہ جیسی اہم عربی کتابیں اپنے خرچ سے بڑے اہتمام کے ساتھ عمدہ کاغذ پر چھپوا چکے ہیں اور اسی مقصد سے آئندہ بھی اسی طرح کی دوسری کتابیں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مولانا ہمدانی صاحب پر سلسلۂ برکاتیہ کے بانی حضرت سید شاہ برکت اللہ، دیگر بزرگان مارہرہ مطہرہ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی وحضرت مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں علیہم الرحمۃ والرضوان کا خصوصی فیضان ہے جو اس طرح کی دینی خدمات وہ انجام دے رہے ہیں۔

دعا ہے کہ خدائے عزوجل مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب کو صحت وسلامتی کے ساتھ بہت دنوں کی زندگی عطا فرمائے، ہمیشہ تصنیف وتالیف اور اشاعت کتب کے سلسلہ کو جاری وساری رکھنے کی توفیق رفیق بخشے۔ اور حضور ﷺ و بزرگان دین کے صدقہ وطفیل میں آپ کی ساری مذہبی خدمات کو قبول فرما کر اجر جزیل و جزائے جلیل سے سرفراز فرمائے۔ آمین بحرمة سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ و علیہم اجمعین۔

OOOOO

محترم قارئین کرام!

السلام علیکم، افکار رضا کا موجودہ شمارہ کافی تاخیر سے شائع ہورہا ہے آج تک اس قدر تاخیر کبھی نہیں ہوئی۔ ہمیں کچھ مسائل درپیش تھے جو آہستہ آہستہ دور ہورہے ہیں۔ ترقی کی جانب گامزن ہونے کے لیے ہم نے کچھ اقدامات کیے تھے اس لیے ہماری ساری توجہ اس طرف ہی مبذول ہوگئی تھی۔ انشاء اللہ قارئین اگر ہمارے لیے دعا گو رہے تو ہم ضرور واپس آپ کی خدمت میں افکار رضا کو مزید بہتر طور پر پیش کرسکیں گے۔ ادارہ

رضا نامے

○ مولانا محمد توفیق احمد نعیمی اشرفی، شیش گڑھ، بریلی شریف

یوں تو جناب کے تمام اداریے انقلاب آفریں ہوتے ہیں مگر اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء کے شمارے کا اداریہ سبحان اللہ و بحمدہ بہت جاندار اور شاندار ہے۔ ایسا لگا کہ آپ نے ہم جیسے سیکڑوں بلکہ ہزاروں کے دل کی بات کہہ دی۔ بلا شبہ آج کل بنام "جہاد" دنیا بھر میں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں زیادہ تر بدمذہبوں کا ہاتھ ہے خاص کر فرقۂ نجدیہ کا اور اس کا مرکز سعودیہ عربیہ ہے۔ سعودی نجدی بس یہ چاہتے ہیں کہ پوری دنیا کو اپنا ہم خیال بنایا جائے اور پورے عالمِ اسلام میں صرف ایک ہی اسٹیٹ رہے۔ اور وہ ہے "وہابی اسٹیٹ"۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی حکومت پوری دنیائے اسلام میں کتابوں، مسجدوں، مدرسوں اور تنظیموں پر بے دریغ خرچ کر رہی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ دنیا بھر کے بیشتر جہادی گروپ اسی کے ریال پر پنپ رہے ہیں اور ایک دنیا کو دہشت زدہ کیے ہوئے ہیں مگر انشاء اللہ ان کا یہ خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

کشمیر میں بھی بنام جہاد جو کچھ ہو رہا ہے یہ دراصل تحریک جہاد نہیں بلکہ تحریک وہابیت ہے۔ عوام کا چونکہ حافظہ کمزور ہوتا ہے اس لیے بنام اسلامی بنائی ہوئی ہر چلی پھرتی تحریک کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ یہی وادیٔ کشمیر میں ہوا، شروع شروع میں عوام نے جہادیوں کا بھرپور ساتھ دیا مگر جب انہوں نے جہادیوں کی ناقابل بیان حرکتیں دیکھیں ان سے کٹنے لگے اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ان میں اصل نمائندگی بد مذہبوں کو حاصل ہے تو لوگ ان سے بالکل ہی کنارہ کش ہو گئے۔ اب تو صرف ڈر وغیرہ کی بنیاد پر لوگ جہادیوں کا دم بھرتے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ ان کو یقین کی حد تک یہ معلوم ہے کہ جنھوں نے بہت سارے مسلمانوں کو شہید کیا ہو اور قاضی نثار احمد علیہ الرحمہ جیسے نڈر، باصلاحیت عالمِ اہلسنت کو شہید کیا ہو۔ وہ کون ہو سکتے ہیں۔ کیا وہ ملک کے فوجی تھے؟ ہرگز نہیں...... بلکہ وہ سچ مچ مودودی تھے ہاں ہاں! حدیث کے مطابق یہ وہی لوگ تھے کہ جن کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی اور دل بھیڑیے سے زیادہ سخت ہیں۔ اس کے بعد ہی کشمیر میں انقلاب آیا اور وہ سنی تنظیمیں جو دیکھا دیکھی برائے نام جہاد میں شامل تھیں، جدا ہو گئیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کچھ کشمیری آزادی چاہتے ہیں مگر قاضی نثار کو شہید کر کے نہیں، وہابیت کے نام پر نہیں بلکہ صرف اور صرف جمہوری طریقے پر اور قوانینِ اسلام کے دائرہ میں رہ کر سنیت کے نام پر۔ اور یہ چیز ان کے ذہنوں میں ہمارے ملک میں دوغلی پالیسی اپنانے والے یاروں نے پیدا کی ہے۔ کاش! کشمیریوں کے تعلق سے ہمارے ملک کے حکام نے انصاف و شفقت سے کام لیا ہوتا تو آج جو کشمیر میں ہو رہا ہے یہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اللہ اکبر! آج تک کسی بھی عالم اور دانشور نے ہمارے کشمیری بھائیوں کو یہ ذہن نہیں دیا کہ اگر تم الگ ہو جاؤ گے تو ملک کے باقی مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جو ہر صوبہ میں اقلیت میں ہیں۔ کیونکہ ملک کے کسی بھی صوبہ میں اکثریت مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتی ہے تو کشمیر ہی ایسا صوبہ ہے جو اپنے مظلوم بھائیوں کا بدلہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جب وہ الگ ہو جائیں تو بے چارے مظلوم

بھائیوں کے حق میں کون آواز بلند کرے گا۔ اور کون انہیں انصاف دلانے کی کوشش کرے گا۔ اگر کی بھی جائے تو صاف صاف کہدیا جائے گا کہ یہ ہمارے گھر کا مسئلہ ہے آپ کون ہوتے ہیں جس طرح پاکستان سے کہہ دیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی بغیر کہے نہیں رہ سکتا کہ کشمیر کی تحریکِ آزادی میں پاکستان کا بھی ہاتھ ہے اور اسے اس کا اعتراف بھی ہے مگر اس سے اس کا مقصد محض کشمیریوں کی ہمدردی کرنا نہیں بلکہ ان لوگوں کو مصروف رکھنا اور جدا کرنا بھی ہے، کہ جو شاہ اسماعیل کے دور سے ادھر کے دیار میں وہابی اسٹیٹ قائم کرنا چاہتے ہیں اگر وہ انہیں آزادی کشمیر کی راہ نہ دکھائے تو اسے خطرہ ہے کہ کہیں پاکستان میں یہ وبال نہ اُٹھ پڑے۔ اگر واقعتاً اسے بھارت کے مسلمانوں سے محبت ہوتی تو ان مسلمانوں سے بھی ضرورت محبت ہوتی جو شروع ہی سے پاکستان میں بنام مہاجر ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ حیف! جب اسے گھر کی ہی خبر نہیں تو وہ میرٹھ، ملیانہ، بھاگلپور، مرادآباد اور احمد آباد کی کیا خبر لے گا۔ پاکستانی افسران کو چاہیے کہ عقل مندی اور دور اندیشی سے کام لیں اور بھارت مخالف اپنی حرکتوں سے باز آئیں کیونکہ اگر کوئی حرکت آپ کریں گے تو اس کے تبادلے میں ظلم وستم کے پہاڑ نہتے مسلمانوں پر توڑے جائیں گے۔ بتائیے یہ آپ کی دوستی ہوگی یا دشمنی؟ اگر دوستی ہے تو ایسی دوستی سے کیا فائدہ کہ جس کے سبب دشمنوں کو موقع ملے۔ خیر یہ تو میرا عندیہ ہے۔ ہمارے دانشوروں کا اس بارے میں کیا خیال ہے ہمیں اس کا انتظار ہے۔ بھارت بھی خواہ مخواہ ہر معاملہ میں پاکستان کو موردِ الزام نہ ٹھہرائے کیونکہ اس سے کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ تحقیق ضروری ہے۔

محترم محمد زبیر قادری صاحب! آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ فیصل ایوارڈ پر نگاہ رکھنے والے دانشور سعودی عرب کی مذکورہ جیسی حرکتوں کے خلاف کچھ بھی نہیں کہتے۔ محبا! یہ شکایت بے فائدہ ہے انہیں جو کرنا ہے وہ کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ کہنے کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے دانشور، صحافی، قلم کار کہاں ہیں؟ وہ کیوں کچھ نہیں بولتے؟ کیا ان کی نگاہیں بھی فیصل ایوارڈ پر ہے۔ پہلی مرتبہ آپ نے چپ توڑی ہے دیکھیے آئندہ کیا ہوتا ہے۔ اس موضوع پر بلاخوف تفصیل کے ساتھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ جہاد کیا ہے اور کن شرائط سے مشروط ہے؟ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی روشنی میں ہمارے علما قوم کی صحیح رہنمائی فرمائیں۔ جس طرح اعلیٰ حضرت نے اپنے دور میں آندھیوں کے سامنے بھی چراغِ حق بجھنے نہ دیا۔ ہواؤں کا ساتھ دینا یہ مردِ حق کی شان نہیں بلکہ ہواؤں کو اپنے رُخ پر ڈالنا ہی مردِ مؤمن کی شان ہے۔ کیا خوب بریلی شریف کے مردِ مؤمن علامہ ازہری میاں نے فاضل بریلوی کی نیابت ادا کرتے ہوئے بریلی شریف میں چند ماہ قبل ایک مجلس میں کہا تھا، ''چند مصنوعی مسلمان دنیا بھر کے مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالے ہوئے ہیں۔'' جی ہاں، اقوام کے روبرو اس کی غلط تصویر پیش کر رہے ہیں۔ اس کے خلاف سنّی علما و دانشوران کو نوٹس لینا چاہیے اور خواہ مخواہ کی بدنامی سے لوگوں کو بچانا چاہیے۔ میری اس دردمندانہ اپیل پر دھیان دینے والے دھیان دیں۔ علی الخصوص قادری صاحب احقر آپ سے گذارش کرتا ہے کہ آئندہ بھی آپ اسی طرح قوم کو

صحیح حالات سے آگاہ فرماتے رہیں۔

○ ریحان رضا انجم مصباحی، رکن سرکار تحی اکیڈمی، مدھوبنی، بہار

کلیم طور رضا (حکیم اہلسنت حضرت موسیٰ رضا، بانی مرکزی مجلس رضا، لاہور) کا نعرۂ آفریں ''انقلاب از کتاب'' ایسا موثر ثابت ہوا کہ اس تحریک کا احاطہ ہند و پاک ہی تک محدود نہیں بلکہ یورپ و ایشیاء کے اکثر خطوں میں ایسی تحریکیں قائم ہوتی چلی گئیں۔ حکیم اہلسنت نے ایک شمع فروزاں کی، اک انقلاب آفریں نعرہ بلند کیا، مذہبی صحافت کا ایک روشن باب کھلا بلکہ اس کی ناہموار راہوں میں اس جذبہ کے ساتھ قدم رکھا

میری ہمت کو سراہو میرے ہمراہ چلو ☆ میں نے اک شمع جلائی ہے ہواؤں کے خلاف

جہاں بیشمار باب علم و دانش اور اصحاب فکر و نظر نے اس تحریک کی تائید و تقلید کی انہیں میں ایک نام ''محمد زبیر قادری، مدیر افکار رضا، ممبئی'' کا بھی ہے جنہوں نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ ایک تحریک ''تحریک فکر رضا'' قائم کی اور جس کے مقاصد بھی ملاحظہ فرمائیں۔

امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعاف کرانا

امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا

امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبان میں شائع کرنا

ارباب فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا

ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا

ان سب کے ساتھ ایک سعی احسن یہ بھی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تعلیمات اور افکار و نظریات کو عوام الناس بالخصوص کالجوں، اسکولوں اور آفیسر گریڈ کے لوگوں تک پہونچایا جائے اور یہ کام از حد ضروری ہے کیونکہ ہمارے مخالفین (بدعقیدے) اس میں کافی حد تک کامیاب ہیں، لہٰذا اس کام میں پیش رفت کرنے میں برادر دینی زبیر قادری اور ان کے رفقاء بے پناہ مبارکبادی کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کے طفیل ان سبھوں کے عزائم میں پختگی عطا فرمائے۔ آمین

''اس تحریک کا بے باک ترجمان'' سہ ماہی افکار رضا'' بڑے ہی حسن و کمال کے ساتھ ترجمانی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ جس میں آپ تحریک فکر رضا کے سارے مقاصد کو بدرجہ اکمل پائیں گے۔ مزید زبیر قادری صاحب کا اداریہ رسالہ کے حسن ترجمانی میں اور چار چاند لگا دیتا ہے۔ جس میں اسلامی تعلیمات اور سنتِ نبوی کے طور پر قوم و ملت کو جہاں ترقی کی راہ کی جانب رہنمائی کرتے ہیں تو دوسری جانب حالاتِ حاضرہ میں قوم و ملت کا طریقۂ کار کیا ہونا چاہئے اس پر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ تیرے ہنر کو تیرا کمال کہتے ہیں

مولانا غلام غوث رقم طراز ہیں کہ

''اہل سنت و جماعت کے ایک فعال، مخلص اور صاحب قلم شخصیت محمد زبیر قادری ایڈیٹر ''سہ ماہی افکار رضا ممبئی'' سے ہر سنی واقف ہے آپ نے حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز کے افکار و

نظریات، ان کے مشن اور پیغامات کو گھر گھر پہنچانے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ اس سلسلے میں "سہ ماہی افکار رضا ممبئی" کے توسط سے مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ کا کام انجام دے رہے ہیں۔
(سہ ماہی افکار رضا صفحہ ۹۷ شمارہ ۹ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء)

تبلیغ دین کی خاطر وہ جگہ جگہ کا سفر بھی کرتے رہتے ہیں ان میں ایک سفر پاکستان کا بھی ہے۔ یہ سفر ۱۴ جولائی ۱۹۹۸ء سے ۱۲ اگست ۱۹۹۸ء تک پاکستان میں قیام اور مختلف شہروں میں سرگرم عمل تنظیموں اور تحریکوں کے متحرک فعال افراد سے ملاقات پر مشتمل تھا۔ لیکن زبیر قادری صاحب جب اپنے ذہن وفکر میں نقش پاکستان لیکر واپس آئے اور افکار رضا میں اپنے سفر کی روداد قلم بند کی اور ساتھ ہی وہاں کی سنی تنظیموں کی سرگرمیوں سے آگاہ کرنے لگے تو تمنا یہ تھی کہ روداد سفر یونہی جاری رہے مگر ختم ہونا تھا اور اپنی آخری قسط کے ساتھ ختم ہوگیا۔ لیکن روداد سفر کے ذریعہ ہند میں بیٹھے ہزاروں افراد کو انہوں نے پاکستان کی سیر کرا دی ایسے ہی سفر سے متعلق عربی کا مقولہ ہے "السفر وسیلۃ الظفر" یعنی سفر کامیابی کا وسیلہ ہوتا ہے۔ رب قدیر سے دعا گو ہوں کہ مولیٰ اس تحریک کو روز افزوں ترقی بخشے اور اس کے معاونین ومخلصین کو ثبات قدمی کے ساتھ خدمات دینیہ کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

جامعہ سعدیہ عربیہ میں محفل ایصال ثواب

جامعہ سعدیہ عربیہ جو کیرالہ میں مسلکِ اعلیٰ حضرت کا ایک مشہور ومعروف ادارہ ہے، جس کے بیس شعبے ہیں، تقریباً چار ہزار طلبا فی الوقت مختلف شعبوں میں زیر تعلیم ہیں، اس کے مہتمم محب اعلیٰ حضرت صاحب تصانیفِ کثیرہ فضیلۃ الشیخ علامہ عبدالقادر عبداللہ القادری طول اللہ عمرہٗ نے ۳۰/اپریل ۲۰۰۲ء بروز منگل بعد نماز فجر یہ خبر جانکاہ سنائی کہ آج رات دہلی میں مناظر اہلِ سنت مفکرِ ملت رئیس التحریر علامہ ارشد القادری نور اللہ مرقدہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اہل سنت کا یہ شیر ابدی نیند سوگیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) اس خبر سے جامعہ سعدیہ میں ہر طرف سناٹا چھا گیا گویا صفِ ماتم بچھ گئی۔ اساتذہ وطلبہ علامہ مرحوم کی دینی وملی خدمات کو یاد کرکے بے خود ہونے لگے۔ پورا ماحول حسرت ویاس میں ڈوب گیا۔
دوسرے ہی دن علامہ عبدالقادر عبداللہ صاحب کی صدارت میں بعد نماز ظہر مسجد یوسف نصر اللہ میں ایصال ثواب کی ایک محفل منعقد ہوئی، جس میں اساتذہ وطلبہ سبھوں نے شرکت کی اور سورۂ یٰسین کی تلاوت کی گئی، بعدہٗ عمید الکلیۃ الشریعۃ علامہ عبدالرحمٰن فیضی نے علامہ مرحوم کی مغفرت اور ان کے رفع درجات کے لیے عربی میں ایک جامع دعا فرمائی۔ اسی دن بعد نماز عشاء شافعی اساتذہ وطلبہ نے اپنے مسلک کے مطابق علامہ مرحوم کی غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی۔

۳/مئی شب جمعہ بعد نماز عشاء شمالی ہند کے حنفی طلبہ نے اپنے طرز طریق پر ایک محفل منعقد کی جس میں راقم الحروف کے علاوہ اور دیگر اساتذہ نے بھی شرکت کی۔ اس محفل میں فقیر نے علامہ مرحوم کے کارناموں پر قدرے روشنی ڈالی۔ بعدہٗ سلام رضا ودعائے مغفرت پر اس محفل کا اختتام ہوا۔

(محمد اشفاق احمد حامد المصباحی، استاذ جامعہ سعدیہ عربیہ، کیرالہ)

جنوبی افریقہ

تحریر: مولانا شیراز مقصود قادری

جنوبی افریقہ ایک سرسبز و شاداب اور پُر بہار ملک ہے جو اب تک سیاہ فام آبادی سے سفید فام (گوروں) کی کشیدگی کے نسلی امتیاز کے باعث دنیا بھر میں قانونی پابندیوں کا شکار تھا جبکہ پابندی لگانے والے ملکوں میں سرفہرست امریکہ خود اسی جرم کا بڑا مرتکب ہے اور اپنی روش پر قائم ہے۔ جنوبی افریقہ کی اہمیت قدرتی معدنیات کے سبب کچھ زیادہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کو اب تک ۷۵ فی صد سونا وہیں سے فراہم کیا جاتا ہے اور ہیرے کی کانیں، کوئلے کی کانیں، پائن ٹریز کی بہتات اس کے علاوہ ہے۔ اس ملک میں چار صوبے ہیں ا۔ نتال ۲۔ ٹرانس وال ۳۔ فری اسٹیٹ ۴۔ کیپ ٹاؤن۔ کُل آبادی ابھی تک قریباً ۳۵ ملین (ساڑھے تین کروڑ) بتائی جاتی ہے۔ کُل رقبہ ۱۲،۲۲،۱۶۵ مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی میں چار قسم کے لوگ ہیں۔ گورے، سیاہ فام (کالے)، کلرڈ (گوروں اور کالوں کے اختلاط سے پیدا ہونے والے) اور انڈین یعنی برصغیر سے ہجرت کر کے وہاں بس جانے والے۔ کرنسی کا نام رینڈ ہے جسے رَین پڑھا جاتا ہے۔ پاکستان سے وقت کے لحاظ سے تین گھنٹہ پیچھے ہے اور ہندوستان کے وقت کے لحاظ سے ساڑھے تین گھنٹہ پیچھے ہے۔ موسم کے لحاظ سے وہاں گرمیوں میں ۴۰ سینٹی گریڈ سے درجۂ حرارت کم ہی رہتا ہے بلکہ ایک دن میں چار موسم عموماً دیکھنے میں آتے ہیں۔ سردیوں میں خوب سردی ہوتی ہے بعض علاقوں میں منفی درجۂ حرارت بھی ہوتا ہے۔ جنوبی افریقہ کے شمال میں بوٹسوانا اور نمیبیا کا ملک سرحد سے ملا ہوا ہے اور مشرق میں موزمبیق، سوازی لینڈ اور لیسوتو کے ممالک ہیں اور کیپ ٹاؤن کے صوبہ میں دو سمندروں کے ملاپ کا مقام ہے جسے دیکھ کر قرآن کی آیت یاد آتی ہے۔ مرج البحرین یلتقیان، بینھما برزخ لایبغیان۔ یہ دونوں سمندر انڈین اوشین اور اٹلانٹک اوشین ہیں۔ آبادی کا بیش تر حصہ سیاہ فام لوگوں پر مشتمل ہے جن میں زولو قبائل اکثریت میں ہیں۔ ان کی زبان زولو ہے۔ آبادی کا دوسرا بڑا حصہ کلرڈ لوگوں کا ہے، تیسری اکثریت سفید فام گوروں کی ہے اور ایشیائی باشندے ایک ملین (دس لاکھ) کے قریب ہیں جن میں سے ساٹھ ۶۰ فی صد ہندو ہیں۔ مسلم کُل آبادی پانچ چھ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ جس میں ملائشیا کے مہاجرین شامل ہیں جنہیں ملائی کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلا مسلمان جو جنوبی افریقہ میں گیا اور اُس نے وہاں قرآن پڑھا وہ مردِ خدا شیخ یوسف تھا جو ملائشیا سے وہاں پہنچا۔ اس مردِ خدا کی درگاہ ''فوری'' کے علاقہ، کیپ ٹاؤن شہر میں ہے۔ کیپ ٹاؤن شہر میں ہر کنارے پر درگاہ ہے۔ عبدالرحمٰن مطیعی ایک بزرگ کا مزار اس علاقے میں ہے جہاں انگوروں کے باغ ہیں اور وہاں کا انگور پورے افریقہ میں مشہور ہے۔ ان باغوں کے مالک انگریز نے زیارت کا راستہ بند کر دیا تو تجارت میں شدید خسارا ہوا یہاں تک کہ کچھ نہ بچا۔ زیارت کا راستہ کھولا تو اس پر معاش بھی مہربان ہو گئی، اس زیارت کا نام ہی ''کرامت'' ہو گیا۔ سگنل ہل پر حضرت غیبی شاہ آرام فرما ہیں۔ روبن آئی لینڈ میں درگاہ بھی مشہور ہے۔ سمندر کی طغیانی درگاہ پر اثر

اندازنہیں ہوتی۔ شیخ جعفر بھی ایک پہاڑ کے دامن میں آرام فرما ہیں۔ شیخ یوسف کی درگاہ تین سو برس سے زیادہ پرانی ہے۔ کیپ ٹاؤن کو "مدر ٹی Mother City" (شہروں کی ماں) کہا جاتا ہے، یہاں مسلم اکثریت ملائی باشندوں پر مشتمل ہے۔ اس شہر میں نظارہ گاہوں کی بہتات ہے، یہ شہر خود قابل دید ہے۔ سطح زمین سے ایک پہاڑ میز نما معلوم ہوتا ہے جسے ٹیبل ماؤنٹین کہتے ہیں۔ اس پہاڑ کی سطح پر جانے کے لیے کیبل کار لگادی گئی ہے۔ موسم گرما میں رات دس بجے تک لوگ پہاڑ کی بلندی پر جاسکتے ہیں، سرما میں وہاں سردی خوب ہوتی ہے اور بادل اکثر رکاوٹ ہوجاتے ہیں۔ اسی شہر میں بہت بڑا ہسپتال امراض قلب کا ہے جس کے ڈاکٹر برنارڈ مشہور تھے۔ صوبہ نٹال کا شہر ڈربن دوسرے نمبر پر آبادی کے لحاظ سے بڑا شہر ہے جبکہ جوہانس برگ سب سے بڑا شہر ہے جو صوبہ ٹرانس وال میں ہے۔ کیپ ٹاؤن آبادی کے تناسب سے تیسرا بڑا شہر ہے۔ ٹرانس وال اور نٹال میں ایشیائی باشندوں کی رہائش گاہوں کے علاقے الگ ہیں جہاں انہیں مسجد کی تعمیر اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت ہے۔ پندرہ سولہ سال قبل تک مسلم ایشیائی باشندے کسی گورے کی شراکت کے بغیر تجارت کرنے اور جائداد کی خرید کے خود مجاز نہیں تھے۔ دو سال پہلے تک گوروں کے علاقوں میں کسی اور کا کسی طرح دخل روا نہیں تھا۔ موجودہ صدر ایف ڈی کلارک نے نسلی امتیاز کو پہلی مرتبہ ختم کرنے کے لیے اقدام کیے، یہ سیاست کار جانیں کہ عوامی دباؤ کے سبب ایسا ہوا یا موجودہ صدر نے از خود یہ مرحلہ سر کیا۔ گوروں نے اس ملک میں سونا اور ہیرے ہی دریافت نہیں کیے انھوں نے اس ملک کی تزئین بھی کی۔ اپنی خرابیوں کے برعکس یہ گورے انتظامی معاملات میں اپنی دھاک اب بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

ڈربن شہر میں حضرت بادشاہ پیر کی درگاہ سب سے بڑی درگاہ ہے۔ حضرت بادشاہ پیر مجذوب بزرگ تھے ان کا مزار اندرون شہر قبرستان میں ہے۔ دریا کے کنارے حضرت صوفی صاحب کی درگاہ ہے جسے گوروں نے ہٹانا چاہا تھا لیکن کہا جاتا ہے کہ کھدائی کرتے ہوئے گوروں پر سانپ حملہ آور ہوئے تو ان گوروں نے اپنے ارادۂ بد کو چھوڑ دیا۔ حضرت صوفی صاحب کا مزار کی خوش نما عمارت اب قومی یادگار شمار کرلی گئی ہے۔ حضرت صوفی غلام محمد صاحب کو ایک سو برس سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ آندھرا پردیش بھارت سے وہ چشتی سلسلہ میں فیض یافتہ اور صاحب مجاز تھے۔ ان کے ساتھ ان کی والدہ آرام فرما ہیں۔ ڈربن شہر کے مضافات میں ایشیائی باشندوں کے لیے چینٹس ورتھ، شیل کراس، فینیکس کے علاقے آباد ہوگئے ہیں جب کہ پہلے یہ سب لوگ ڈربن شہر کے اندرون قیام پذیر تھے۔

ڈربن شہر میں جنوبی افریقہ کی سب سے بڑی مسجد ہے جسے جمعہ مسجد یا جامع مسجد گرے اسٹریٹ کہا جاتا ہے حضرت مولانا احمد مختار صدیقی قادری نے اس مسجد کو اہل سنت کا مرکز بنانے میں بہت کام کیا، حضرت مولانا احمد مختار صاحب، مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی کے بڑے بھائی تھے اور عمر میں غالباً ان سے بیس برس بڑے تھے، ان کے ایک اور بھائی مولانا احمد بشیر صدیقی بھی ڈربن شہر میں خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کا بیٹا صفی صدیقی ڈربن میں اب بھی مشہور ہے لیکن اپنے بزرگوں کی روش پر نہیں ہے بلکہ اب جامع مسجد گرے اسٹریٹ میں خطابت کے فرائض پاکستان کے مولانا غلام مرتضی ساجد کی

انجام دے رہے ہیں ان سے قبل مولانا ابوبکر خطیب وہاں خطیب تھے اور بڑے مقبول تھے۔ حضرت مولانا احمد مختار صدیقی اور حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی نے اس علاقہ میں اپنی اچھی یادیں قائم کیں اور حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی کے داماد ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری بھی کچھ حلقوں میں بہت یاد کیے جاتے ہیں، یہ تینوں حضرات اہل علم ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف زبانوں پر بھی عبور رکھتے تھے۔ ڈربن میں حضرت صوفی صاحب کا گھرانہ اردو زبان میں اب بھی مہارت رکھتا ہے، مقامی لوگ شکستہ اردو کسی حد تک بول لیتے ہیں کچھ بزرگ خواتین اردو پڑھ لیتی ہیں لیکن جوان نسل کو صرف انگریزی ہی سے شغف ہے۔ حضرت صوفی صاحب کے گھرانے نے جنوبی افریقہ کے جن شہروں کو اپنا مسکن بنایا وہاں نہایت خوب صورت مساجد تعمیر کیں، جو اَب تک وہاں ایک مثال ہیں۔ ڈربن، پیٹر میرس برگ، لیڈی اسمتھ اور کیپ ٹاؤن میں ان مساجد اور خانقاہوں سے ہزاروں کو فیضان پہنچ رہا ہے۔ جنوبی افریقہ میں کوئی ایسی جماعت یا تنظیم نہیں تھی جسے مسلمانوں کی متفقہ نمائندہ تنظیم کہا جاسکتا لیکن مختلف چھوٹی چھوٹی انجمنیں ضرور تھیں۔ کوئی تیس برس پہلے تک جنوبی افریقہ میں دیوبندی وہابی مذہب کے ایسے اثرات نہیں تھے کہ باقاعدہ گروہ بندی شمار ہوسکتی۔ بھارت کے حقانی کہلانے والے ایک ملاں نے وہاں جاکر منافقت کی بدترین چالوں سے بدعقیدگی کی بُو پھیلائی۔ ایک طرف تو وہ یہ پڑھتا کہ "گھر گھر میں شور ہے میرے پیرانِ پیر کا" اور دوسری طرف دیوبندیت وہابیت سکھاتا رہا۔ گھر بار چھوڑ کر جو لوگ برصغیر کی تقسیم سے پہلے جنوبی افریقہ جابسے تھے وہ سادہ لوح تھے، کتابوں کے ذخیرے یا علما کی وافر تعداد ان کے پاس نہیں تھی کہ وہ لوگ اس فتنے سے خود کو بچاتے، تبلیغی جماعت (الیاسی ٹولہ) اپنی جڑیں جمانے لگا، اجتماع کے نام پر بے ادبی کی ترغیب کا سامان ہونے لگا۔ اہل سنت و جماعت کے وہ افراد جو اولیائے کرام سے وابستہ تھے اور علمائے حق کے سننے والے تھے انھوں نے اس فتنے کو شدت سے محسوس کیا کیوں کہ دیوبند والوں نے یکے بعد دیگرے یلغار شروع کردی تھی۔ قاری طیب اور جانے کون کون وہاں پہنچا۔ اہل سنت کی مساجد پر دھوکے سے قبضہ کیا جانے لگا، محافلِ میلاد کو شرک و حرام کہا جانے لگا اور رسول کریم ﷺ کے بارے میں تقویۃ الایمان والی باتیں پھیلائی جانے لگیں۔ میاز فارم میں دیوبندی مذہب کا مرکز قائم ہوگیا، لٹریچر شائع ہونے لگا اور دین کے نام پر بے دینی سکھائی جانے لگی۔ اہل سنت و جماعت کی کوئی ایسی دینی درس گاہ اس علاقے میں نہیں تھی جہاں باقاعدہ درسِ نظامی کی تدریس کا اہتمام ہوتا، گوروں کے ساتھ تجارت میں شراکت کی قانونی پابندی تھی، لوگوں کو اختلافی بکھیڑوں کی حقیقت جاننے کا موقع ہی کہاں ملتا۔ کچھ ایسے سادہ لوح بھی تھے کہ میلاد شریف میں بھی جاتے اور الیاسی ٹولے کے اجتماع میں بھی چلے جاتے۔ مسلمانوں میں تذبذب پایا جانے لگا کہ کیا صحیح ہے کیا غلط ہے؟ مگر کوئی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردینے والا وہاں نہیں تھا۔ ۱۹۷۶ء میں خطیب اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو جنوبی افریقہ لایا گیا۔ ان کے میزبان حاجی ابراہیم تار محمد تھے جو حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی کے مرید تھے اور حضرت مولانا اوکاڑوی کو کراچی اور مدینہ منورہ کئی مرتبہ مل چکے تھے، سُن چکے تھے۔ انھیں جنوبی افریقہ میں انقلاب برپا

کرنے کے لیے مولانا اوکاڑوی سے بہتر کوئی اور نہ لگا اور وہ حضرت مولانا کو ڈربن لے آئے۔ اس سے قبل مولانا محمد ابراہیم خوشتر اور مولانا نذیر الاکرم نعیمی مراد آبادی بھی جنوبی افریقہ کے دورے کر چکے تھے مگر وہ مخصوص حلقے سے آگے نہ بڑھ سکے۔

حضرت مولانا اوکاڑوی ضرور مقبول تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں، یہ نا قابل تردید حقیقت ہے کہ حضرت مولانا اوکاڑوی نہایت فیض و اثر رکھتے تھے اور اپنے سامعین و ناظرین پر انمٹ نقوش ثبت کرتے تھے۔ انھوں نے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا انداز مکمل طور پر اپنایا تھا اور اپنی تحریر و تقریر میں وہ اتنے مدلل اور وقیع تھے کہ حق و صداقت کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا، یہ اور بات ہے کہ کوئی ہٹ دھرم قبول نہ کرے مگر حضرت مولانا دلائل و براہین میں ایسے مضبوط و مستحکم تھے کہ کسی کو جواب کی جرأت نہ ہوتی۔ وہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی اور محققین ائمہ و علماء ربانی کے اقوال سے حق و صداقت کو بہت عام فہم انداز میں پیش کر کے دل نشیں کر دینے کا خاص ملکہ و مہارت رکھتے تھے اور اپنی شخصیت کی دل آویزی کے ساتھ ساتھ تحریر و تقریر میں اتنے دل چسپ اور عمدہ تھے کہ انھیں سننے پڑھنے والا متاثر و مسحور ہوئے بغیر نہ رہتا۔ تین ماہ کا عرصہ انھوں نے جنوبی افریقہ میں گزارا اور ان کے سو سے زیادہ خطابات ہوئے اور گویا ہر سمت انہی کی آواز گونجنے لگی۔ جنوبی افریقہ کے مسلمان گواہ ہیں کہ حضرت مولانا اوکاڑوی سے پہلے اور ان کے بعد ایسے اجتماعات اور قبولِ عام کے مناظر دیکھنے میں نہیں آئے۔ ایک انقلاب برپا ہوگیا۔ سنّی اور غیر سنّی کا فرق روز روشن کی طرح ہر کسی پر واضح ہوگیا۔ ہزاروں افراد کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف حضرت مولانا اوکاڑوی کے ذریعے ہوا۔ پہلی مرتبہ جنوبی افریقہ میں ستر موضوعات پر تقاریر کی کیسٹس تیار ہوئیں اور صرف پانچ برس کی مدت میں ایک لاکھ سے زیادہ فروخت ہوئیں۔ جنوبی افریقہ کے اہلِ ایمان کا کہنا ہے کہ ہمارے دل چیر کر حضرت مولانا اوکاڑوی نے عشق رسول بھر دیا۔ دیوبندی وہابی گروہ اور اہل سنت و جماعت کے درمیان پہلی مرتبہ مناظرہ کا مرحلہ آیا اور اہل سنت کو کامیابی ہوئی۔ جنوبی افریقہ میں پہلی مرتبہ سنی درس گاہ اور جماعت اہل سنت کی مرکزی تنظیم کا قیام اور دس ہزار ارکان کی شمولیت بھی حضرت مولانا اوکاڑوی کا یادگار کارنامہ ہے۔ حضرت مولانا اوکاڑوی کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ وہ جہاں بھی گئے اہل سنت علما و عوام کے لیے سب بند دروازے کھولتے گئے چنانچہ جنوبی افریقہ میں بھی علمائے اہل سنت کے لیے راہیں ہموار ہوگئیں۔ راولپنڈی کے سید برادران، حضرت مولانا سید غلام محی الدین شاہ، حضرت مولانا سید عبدالرحمٰن شاہ اور حضرت مولانا سید حسین الدین شاہ صاحبان بھی جنوبی افریقہ پہنچے۔ ان کے تربیت یافتہ تلامذہ کی بڑی تعداد اب بھی وہاں نمایاں ہے، مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی بھی ۱۹۷۸ء میں پہلی مرتبہ جنوبی افریقہ گئے اور حاجی ابراہیم نار محمد کو تاکید کی کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کو پھر بلاؤ تاکہ ان کے برپا کیے ہوئے انقلاب کے اثرات مزید مستحکم ہوں۔ چناں چہ ۱۹۷۹ء کے آخر میں حضرت مولانا اوکاڑوی کو پھر جنوبی افریقہ مدعو کیا گیا اور اہل سنت و جماعت کی تنظیم اور فعال ہوگئی۔ متعدد نوجوانوں کو علومِ دینیہ

حاصل کرنے کا شوق ہوا اور ہر سمت صدائے حق گونجنے لگی۔ حضرت مولانا اوکاڑوی کی ترغیب پر علمائے اہل سنت کی کتابوں کے انگریزی تراجم کا سلسلہ شروع ہوا، کنزالایمان کے انگریزی ترجمے کی ابتدا ہوئی۔ نعرہ ہائے تکبیر ورسالت، صلوٰۃ وسلام حلقہ ہائے ذکر، محافلِ نعت کے سلسلے شروع ہوئے۔

پاک و ہند سے علمائے اہل سنت جنوبی افریقہ پہنچے۔ اب تک پچاس کے لگ بھگ علما و مشائخ جنوبی افریقہ جا چکے ہیں۔ حضرت مولانا اوکاڑوی کی تحریک پر اہل سنت کی مرکزی دینی درس گاہ دارالعلوم علیمیہ رضویہ ڈربن شہر کے علاقے چاٹس ورتھ میں آب وتاب کے ساتھ قائم ہے۔ حضرت مولانا سید حسین الدین شاہ کے تلامذہ میں سے مفتی محمد اکبر ہزاروی اور ان کے رفقاء کے زیر انتظام صوبہ ٹرانس وال میں پٹوریا کے علاقہ لوڈیم میں دارالعلوم قائم ہوگیا جس کے لیے حضرت مولانا اوکاڑوی کے جانشین علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ نیو کاسل کے علاقہ میں مولانا عبدالنبی حمیدی نے ایک درس گاہ قائم کی، لیڈی اسمتھ کے علاقے میں ایک درس گاہ قائم ہوئی، کیپ ٹاؤن کے شہر میں مولانا احمد مقدم نے جو بریلی سے فارغ التحصیل ہیں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ الحاج پیر محمد قاسم اشرفی کے فرزند مولانا محمد محسن اشرفی بھی برہان پور بھارت سے فارغ التحصیل ہوکر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ڈربن سے "مسلم ڈائجسٹ" قدیم مجلہ ہے جو حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی کی یادگار ہے۔ ڈربن ہی سے مولانا محمد بانا شفیعی قادری نے "المجاہد" کا اجراء کیا اور اب کیپ ٹاؤن سے "الخدوم" بھی شائع ہو رہا ہے۔

۱۹۸۷ء سے اب تک خطیب ملت علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی جنوبی افریقہ سات مرتبہ جا چکے ہیں اور انہوں نے اذان سے قبل اور بعد درود و سلام کی سنت جاری کرنے کے ساتھ ساتھ آٹھ کتابیں انگریزی میں طبع کروائیں، کتنی مساجد اہل سنت کو واپس دلوائیں اور میاز فارم کے ایوانِ باطل کو لرزہ براندام کیا۔ مناظرہ و مباہلہ کا تاریخی چیلنج جنوبی افریقہ کے دیابنہ وہابیہ کو بالمشافہ دیا۔ اس کی تین سالہ کاروائی پر مشتمل کتاب "Truth Wins" (حق کی فتح) بھی شائع ہو چکی ہے۔ کیپ ٹاؤن شہر میں ملائی شیوخ جو کسی قدر عربی داں بھی ہیں اور عربی سے نابلد شخص کو عالم نہیں سمجھتے وہ بھی علامہ اوکاڑوی کے قدر دان ہیں۔ اسلامی کونسل جنوبی افریقہ کے سربراہ شیخ محمد نظیم نے علامہ اوکاڑوی کو وائن برگ میں اپنی مسجد میں خطاب کی دعوت بھی دی اور ان کی شخصیت اور خدمات پر انہیں خراج عقیدت بھی پیش کیا۔ پہلے ہر ماہ کوئی نہ کوئی پوسٹر یا پمفلٹ اہلِ باطل کی طرف سے اہل سنت کے خلاف شائع ہوتا رہتا تھا لیکن علامہ اوکاڑوی کی آٹھ کتابوں کے شائع ہونے کے بعد یہ سازشی سلسلہ بھی تقریباً موقوف ہوگیا ہے اور بہت سے لوگوں نے عقیدۂ باطل سے توبہ کرلی ہے۔ جنوبی افریقہ میں کچھ علما نے پاک و ہند میں اپنے اداروں کے لیے عطیات جمع کرنے کی غرض سے دورے کیے، کچھ لوگوں نے وہاں حلقۂ مریدین قائم کرنے کی غرض سے دورہ کیا جس کا اچھا اثر نہیں ہوا۔ اسی باعث ان لوگوں کی دوبارہ وہاں آمد ناپسندیدہ ٹھہری۔ بھارت سے حضرت محدث اعظم کچھوچھوی کے فرزندان علامہ سید محمد مدنی میاں، علامہ سید محمد ہاشمی میاں، مولانا منصور علی، مولانا نسیم اشرف حبیبی، مولانا عبدالحئی، مولانا علیم الدین مصباحی، مولانا عبیداللہ، حضرت مولانا مفتی اختر رضا

بریلوی ازہری، مولانا محمد مبین اشرفی وغیرہ اور پاکستان سے مولانا سید شاہ تراب الحق قادری، مولانا محمد یٰسین نعیمی، مولانا سید سعادت علی قادری، پروفیسر شاہ فرید الحق، مولانا قاری فیض الرحمٰن، مولانا مفتی غلام سرور قادری، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا مفتی گل رحمان خان، مولانا محمد حسن قادری، مولانا مفتی محمد حسین قادری وغیرہ جنوبی افریقہ میں اب تک خطابات کر چکے ہیں۔ راولپنڈی کے سید برادران اور حضرت علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کی مقبولیت اس قدر ہے کہ انھیں ہر سال مدعو کیا جاتا ہے اور اہل سنت ان کا انتظار کرتے ہیں۔

اخبارِ رضا

☆ رضا اکیڈمی، برطانیہ گزشتہ ۱۲ سال سے برطانیہ سے فروغ اہلسنت کے لیے ماہنامہ "اسلامک ٹائمز" شائع کر رہی ہے، اسی نام سے انڈیا سے اردو میں ماہنامہ شائع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے جو ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے زیرادارت شائع ہوا کرے گا۔ اس کے دو شمارے جولائی و اگست ۲۰۰۲ء منظر عام پر آچکے ہیں۔ رابطہ کا پتہ: اسلامک ٹائمز، 104، جسولی، بریلی شریف ☆ علامہ ارشد القادری نور اللہ مرقدہ کے زیر ادارت کلکتہ سے شائع ہونے والا ماہنامہ "جامِ نور" ازسرِ نو جاری کیا گیا ہے۔ اس کا پہلا شمارہ حضرت علامہ ارشد القادری کی یاد میں "رئیس القلم نمبر" کے طور پر شائع کیا گیا۔ چیف ایڈیٹر: خوشتر نورانی، ملنے کا پتہ: ماہنامہ جامِ نور، 422، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔6 ☆ منظرِ اسلام کے صد سالہ جشن کی مناسبت سے ماہنامہ "اعلیٰ حضرت" رضا نگر، محلہ سوداگراں، بریلی شریف نے "صد سالہ منظر اسلام نمبر" (دوسری قسط) شائع کی ہے۔ ☆ امام احمد رضا اکیڈمی، حسین باغ، بریلی شریف نے اپنا پہلا سالانہ مجلہ "تجلیاتِ رضا" شائع کیا ہے جس میں افکار امام احمد رضا سے متعلق نئے علمی اور تحقیقی مقالے شاملِ اشاعت کیے گئے ہیں۔ ☆ تحریک رضا نام سے ایک دینی، مذہبی، قومی و ملی تنظیم ہوڑہ، کلکتہ میں قائم کی گئی ہے۔ جس کا پتہ ہے ۱۴۸ /جی۔ ٹی۔ روڈ (ساؤتھ) شیب پور، ہوڑہ۔۷ ۱۱۱۰۲ ☆ مکتبۂ اعلیٰ حضرت، کرلا، ممبئی نے علامہ مفتی محمد اکمل عطا قادری عطاری (لاہور) کی تقریباً تمام ہی مطبوعات خوبصورت ٹائٹل سے مزین شائع کر دی ہیں۔ جن میں سے "اربعین رضوی"۔ "رہنمائے کامل" سلسلہ نمبر 1 تا 10 اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے فتاوے سے ماخوذ ہے۔ ☆ الدارالسنیہ ۹۵، اَندریا اسٹریٹ (چوکی محلہ) ممبئی۔۸ نے "مغرب دنیا میں جشنِ میلاد" شائع کی ہے قیمت: دس روپے۔ ☆ ۲۳۔۲۴۔۲۵ اگست ۲۰۰۲ء (بروز جمعہ، سنیچر، اتوار) کو برطانیہ میں سنی دعوتِ اسلامی کا سالانہ سنی اجتماع انعقاد پذیر ہوا۔ جس میں ہندوستان سے نبیرۂ اعلیٰ حضرت علامہ منان رضا خان صاحب قبلہ، امیر سنی دعوت اسلامی مولانا محمد شاکر رضوی نوری، نائب امیر محمد رضوان خان نے شرکت کی۔ برطانیہ کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے علماء کرام نے بھی شرکت فرمائی اور ہزاروں کی تعداد میں عوام الناس اس اجتماع سے مستفید ہوئی۔

ہمارے مقاصد:

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔

☆ علماءِ اہلِ سُنّت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔

☆ اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔

☆ ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجئے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مدد گار ہوگا۔

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی